تیرے میرے درمیاں

مہوش افتخار

"بابا آج واپسی پہ اپنی بی پی کی ٹیبلٹس لیتے آیئے گا، ختم ہو گئی ہیں۔" وہ احسان صاحب کے سامنے ناشتہ رکھتے ہوئے بولی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر ہاتھ میں پکڑا اخبار تہہ کرتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟"

"بس جا رہی ہوں۔" وہ ایک نظر وال کلاک پہ ڈالتے ہوئے تیزی سے ان کے لیے چائے بنانے لگی۔

"کل کس وقت واپسی ہو گی؟" انہوں نے پلیٹ اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ان شاء اللہ شام تک واپس آجائیں گے۔" وہ پیالی ان کے سامنے رکھتے ہوئے بولی اور پھر عجلت میں تیار ہونے چل دی۔

وہ آج اپنے کالج کی اسٹوڈنٹس اور دیگر اسٹاف ممبرز کے ساتھ دو دن کے لیے بائے روڈ اسلام آباد ٹرپ پہ جا رہی تھی۔ حالانکہ اس شہر کا محض حوالہ ہی اس کے

بوجھل دل کو مزید بوجھل کر دیا کرتا تھا۔ مگر یوں اپنے ماضی کی تلخ یادوں سے اپنے حال کو بھلا کب تک پراگندہ کیا جا سکتا تھا؟ یہی سوچ کے اس نے سب کے بے حد اصرار پہ جانے کی ہامی بھرلی تھی۔ کپڑے تبدیل کرنے اور معمول کا ہلکا پھلکا میک اپ کرنے کے بعد وہ اپنا پرس اور رات کا پیک شدہ چھوٹا سا سفری بیگ اٹھائے، تیز قدموں سے باہر آئی تھی۔ بابا سے مل کر وہ دونوں سوئے ہوئے بھانجوں کو پیار کرتی آپی کے ساتھ

مکمل ناول

پورچ میں چلی آئی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا۔" اس پہ آیت الکرسی پڑھ کر پھونکتے ہوئے مومنہ نے اسے گلے لگایا۔

"آپ بھی۔" وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھی تو ایک لحظے کو مومنہ کا دل چاہا کہ وہ اسے روک لے۔ نجانے کیوں عجیب سی بے چینی یک لخت اسے اپنی ذات کا احاطہ کرتی محسوس ہوئی تھی۔

"فی امان اللہ!" سر جھٹکتے ہوئے اس نے گاڑی میں بیٹھتی بہن کو اللہ کی امان میں دیا تھا۔ اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ڈرائیور تیزی سے گاڑی نکال لے گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہاں تیمور! کیس میں کس حد تک پروگریس ہوئی ہے؟" نیازی صاحب نے تیمور مہناج کے کرسی سنبھالنے کے بعد استفسار کیا۔

"سر! تقریباً" نوے فیصد کام مکمل ہو چکا ہے اور جو رزلٹ سامنے آیا ہے، اس نے تو مجھے چونکا کر رکھ دیا ہے۔ مجھے تو یہ معلوم تھا کہ ڈرگز اور عورتوں کے کاروبار میں ملوث اس گینگ کے ہاتھ خاصے لمبے ہیں۔

لیکن اتنے لمبے ہوں گے اس بات کا اندازہ نہ تھا۔ بہت سی اہم سیاسی اور کاروباری شخصیات ان لوگوں کی پشت پناہی کررہی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے بندے بڑے دھڑلے سے مختلف شہروں میں یونیورسٹیز' خاص کر گرلز کالجز اور بہت سے وومن ہاسٹلز کے اندر تک گھسے ہوئے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی کارروائی تب ہی کامیاب ہوگی' جب آخر تک ہمارا کام یونہی مکمل رازداری اور احتیاط سے جاری رہے گا۔ بصورت دیگر آپ تو جانتے ہیں کہ یہ سیاسی مگرمچھ آخری وقت میں بھی کیسے پوری گیم پلٹ سکتے ہیں۔" تیمور نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو نیازی صاحب دھیرے سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"جانتا ہوں۔ اس کیس پہ کسی کا اثر ورسوخ چل نہ سکے' اسی لیے اسے ہم ایجنسی والوں کے سپرد کیا گیا ہے۔ پولیس ڈپارٹمنٹ کتنے پانی میں ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اس لیے رازداری اور احتیاط کی طرف سے تو تم بے فکر رہو۔ لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا' ثبوت اتنے مضبوط ہونے چاہئیں کہ کوئی چاہ کر بھی ان لوگوں کو قانون کے شکنجے سے آزاد نہ کرواسکے نہ ہی ہم سے کوئی سوال جواب کرسکے۔"

"آپ بے فکر رہیں سر! میں نے ایسے ثبوت اکٹھے کیے ہیں کہ ان کی مدد کو آنے والا کم ازکم دوبار تو ضرور سوچے گا۔" تیمور اعتماد سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"گڈ!" اس کی اسی قابلیت کے بل بوتے پہ ہی تو اجمل نیازی نے یہ دشوار کیس اسے سونپا تھا۔

"پلان آف ایکشن کے بارے میں کچھ سوچا ہے تم نے؟" اجمل صاحب نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی سر! وہ بھی تقریباً" تیار ہے۔ ایک دو دن میں' میں اور باری آپ کے ساتھ اسے ڈسکس کریں گے۔ اس آپریشن کے لیے موسٹ سوٹ ایبل آفیسرز کی فہرست بھی ہم نے تیار کرلی ہے۔ ان شاء اللہ چار' پانچ دن میں ہم ریڈ کے لیے بالکل تیار ہوں گے۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا تو اجمل صاحب مسکرا دیے۔

"ان شاء اللہ! او کے۔ دین ینگ مین' بیسٹ آف لک۔ وودیور مشن۔"

"تھینک یو سر!" اس نے مسکراتے ہوئے ان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

☼ ☼ ☼

ٹرپ پہ جانے والی فائنل ایر کی ساری لڑکیوں اور اسٹاف کو صبح آٹھ بجے کا وقت دیا گیا تھا۔ مگر نکلتے نکلتے نو بج گئے تھے۔ مزید کسر سڑکوں پہ موجود بے پناہ رش نے پوری کردی تھی۔ یوں لاہور شہر سے نکلنے میں ہی انہیں اچھا خاصا وقت لگ گیا تھا۔ مگر خوشی سے چہکتی' ہنستی مسکراتی اسٹوڈنٹس کو اس بات کی قطعاً" پروا نہ تھی۔

"کیا بات ہے بشریٰ اور نائمہ! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اتنی چپ چپ کیوں ہیں دونوں؟" اپنے ساتھ بیٹھی ماہم سے باتیں کرتی انابیہ کی نظر جونہی اپنے دائیں جانب دوسری قطار میں خاموش بیٹھی ان لڑکیوں پہ پڑی' وہ ان سے پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"بس میڈم! یونہی۔" بشریٰ سیدھی ہوتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی تو انابیہ ایک نظر اس کے الجھے الجھے سے چہرے کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سرہلا گئی۔

یہ لڑکی بشریٰ ابھی چند ماہ پہلے ہی ان کے کالج میں ٹرانسفر ہو کے آئی تھی۔

اپنے چہرے سے وہ باقی لڑکیوں سے خاصی بڑی دکھائی دیتی تھی۔ مگر انابیہ کو جو چیز پہلے دن سے کھٹکی تھی' وہ تھے اس کے انداز واطوار۔ اس کی بول چال' اٹھنے بیٹھنے حتیٰ کہ اس کے دیکھنے تک میں ایک عجیب سا سطحی پن اور بے باکی تھی۔ جسے انابیہ جیسی شائستہ اور سلجھی ہوئی لڑکی کے لیے برداشت کرنا خاصا مشکل امر تھا۔ مگر چونکہ وہ ایک استاد تھی' اس لیے اپنے کسی بھی اسٹوڈنٹ سے محض اس کے طور طریقوں کے باعث امتیازی سلوک کرنا اس کے نزدیک سراسر غلط فعل تھا۔ اسی لیے اس نے آج تک اپنی ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ہاں لیکن وہ وقتاً" فوقتاً" اپنی سب ہی اسٹوڈنٹس کو اپنے اندر رکھ رکھاؤ اور ٹھہراؤ پیدا کرنے کی نصیحت کرتی رہتی تھی۔

"میڈم! ہم ایک بجے تک اسلام آباد پہنچ جائیں گے؟" ایک نظر نائمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بشریٰ نے سوال کیا تو انابیہ کلائی پہ بندھی گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایک بجے تو مشکل ہے' دو ڈھائی بج جائیں گے' کیونکہ آپ کو معلوم تو ہے کہ جس ریسٹ ہاؤس میں ہمارا اسٹے (قیام) ہے' وہ اسلام آباد شہر سے تھوڑا آگے ہے۔"

اس کے جواب پہ بشریٰ اثبات میں سرہلاتی نائمہ کی طرف پلٹ کے کچھ کہنے لگی تو انابیہ بھی ماہم کی طرف رخ پھیر گئی۔ مگر تب ہی نائمہ کی جھنجلائی ہوئی قدرے بلند آواز انابیہ کا سارا دھیان ایک بار پھر ان کی جانب مبذول کرواگئی۔

"تو پاگل لڑکی انہیں ساڑھے تین چار بجے کا ٹائم دونا!" اور انابیہ نے چونکتے ہوئے بے اختیار پلٹ کے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔ مگر وہ دونوں اپنی کھسر پھسر میں اتنی مگن تھیں کہ انہیں انابیہ کی نظروں کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"یہ کس کو ٹائم دینے کی بات کررہی ہیں؟" پرسوچ انداز میں ان دونوں کو دیکھتے ہوئے انابیہ نے سوچا تھا۔

اس لڑکی پہ اعتبار کرنے کو تو اس کا دل پہلے بھی تیار نہ تھا لیکن اب تو ان دونوں پہ خاص نظر رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی اسے۔

دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے وہ ساری بات ماہم کو بتانے کے ارادے سے اس کی جانب پلٹی تھی۔ مگر اس کی آنکھ لگی دیکھ کے وہ بے اختیار اک گہری سانس لیتے ہوئے ماہم کی طرف موجود کھڑکی سے بھاگتے منظر پہ نگاہیں جماگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

چمکتی روش پہ سیاہ لینڈ کروزر کے رکتے ہی مستعد گارڈ نے اتر کر تیزی سے پچھلا دروازہ کھولا تو اندر براجمان ہستی اک شان بے نیازی سے باہر نکل آئی۔ اس کے باہر آنے تک پیچھے دو گاڑیاں اور آرکی تھیں۔

"آیئے۔ آیئے۔ آپ کا ہی انتظار تھا۔" معاً" سامنے موجود برآمدے میں لکڑی کا بھاری داخلی دروازہ کھول کے ایک خوبصورت سی عورت' نفاست سے بجی سنوری ملازموں کے ہمراہ آنے والوں کے استقبال کو تپاک سے آگے بڑھی تھی۔

"آداب عرض کرتی ہوں حسنی صاحب۔" کروفر سے کھڑے اس بے حد شان دار شخص کے قریب پہنچ کے اس عورت نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے ہاتھ پیشانی تک لے جاکر سلام کیا۔

"کیسی ہو فیروزہ؟" چمکتی ہوئی سنہری آنکھیں بے نیازی سے ایک پل کو فیروزہ بائی کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں اور اس عمر میں بھی فیروزہ کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش برپا ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"کرم نوازی ہے حضور کی۔" ستائشی نظروں سے اس کے ساحرانہ نقوش کو تکتے ہوئے فیروزہ نے بے اختیاری کے عالم میں سوچا۔ "کیا کوئی مرد اتنا بھی وجیہہ ہوسکتا ہے؟"

اس دوران پچھلی دو گاڑیوں میں بیٹھے افراد بھی ملازموں کی معیت میں ان کے قریب چلے آئے تو فیروزہ کو نا چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

"ان سے ملو' یہ ہیں ہمارے' بہت اچھے دوست شاہد لغاری' علی شکیل' سفیان حیدر اور ندیم باری۔ یہ سب ملک کی مایہ ناز ہستیاں ہیں اور آج کل ہمارے مہمان ہیں۔ لیکن آج رات کے لیے ان کی مہمان نوازی میں تم کو سونپ رہا ہوں۔" کہنے کے بعد دیگرے وہ اپنے

دوستوں کا تعارف کرواتے ہوئے آخر میں دھیرے سے مسکرایا تو فیروزہ کی باچھیں کھل گئیں۔ ایک نہیں بلکہ اکٹھی پانچ بے انتہا دولت مند آسامیاں! یہ رئیس زادہ حسنی مرتضیٰ تو قلیل عرصے میں ہی اس کے لیے سونے کے انڈے دینے والی مرغی ثابت ہوا تھا۔

"زہے نصیب۔ آج جب آپ کے بندے نے فون پہ بتایا کہ رات میں آپ کے ساتھ کچھ خاص مہمان ہوں گے تو یقین جانئے تب سے ہی میں نے آپ کے مہمانوں کے شایان شان تیاریوں کی کوشش شروع کردی تھی۔۔۔ آپ نے مجھ ناچیز پہ بہت بھاری ذمہ داری عائد کردی ہے حسنی صاحب!" مسکراتے ہوئے اس نے آخری جملہ قصداً" گھبرائے ہوئے انداز میں آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے ادا کیا تو حسنی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"میں جانتا ہوں' مجھے مایوسی نہ ہوگی۔"

"شکریہ! آیئے اندر تشریف لایئے۔" وہ ان سب کو لیے اندر کی جانب بڑھی تھی جہاں ساری رات اس خوبصورت بنگلے میں محفل اپنے عروج پہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماہم کو "روڈ سیکنس" کی شکایت ہونے کی وجہ سے سارا راستہ متلی اور گھبراہٹ محسوس ہوتی رہی تھی۔ اس کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے انابیہ چاہ کر بھی اس سے بشریٰ اور نائمہ کے متعلق کچھ ڈسکس نہ کرسکی تھی۔ مگر اپنے طور پہ وہ ان دونوں پہ نگاہ رکھنے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ بنا کسی تصدیق کے ماہم کے علاوہ کسی اور سے کچھ بھی کہنا اس نے فی الحال مناسب نہیں سمجھا تھا۔

ریسٹ ہاؤس پہنچ کر فریش ہونے اور گھر والوں کو فون کرنے کے بعد ماہم تو بنا کچھ کھائے پیے لیٹ گئی تھی۔ لیکن باقی سب کھانا کھانے کے بعد اردگرد کا علاقہ دیکھنے کی نیت سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ساتھ آئے چپراسی اور دو تین اور ملازموں کو پرنسپل نے وہیں ریسٹ ہاؤس پہ رکنے کے لیے کہا تھا۔

"سب لڑکیاں ساتھ ساتھ رہیں۔ ادھر ادھر اکیلے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔" پرنسپل نے با آواز بلند سب اسٹوڈنٹس کو ہدایت جاری کی تھی اور انابیہ کی نظریں بے اختیار بشریٰ اور نائمہ کی جانب اٹھ گئی تھیں' جواب تک تو سب کے ساتھ ساتھ ہی تھیں۔

"ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور بارے میں بات کررہی ہوں۔" ان کے چہروں سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے اس کی نظریں کلائی پہ بندھی گھڑی کی جانب اٹھی تھیں' جہاں ساڑھے چار بج رہے تھے۔ پرسوچ نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے' وہ اردگرد پھیلے خوبصورت نظاروں کی جانب متوجہ ہوئی تھی' جن کی کشش میں آسمان پہ تیزی سے چھائے بادلوں نے ڈھیروں اضافہ کردیا تھا۔

ٹھنڈی ہوائیں' پرکیف نظارے اور دوستوں کے ساتھ نے بہت جلد اسے بھی کچھ دیر کے لیے ہی سہی' ہر سوچ اور ہر فکر سے آزاد کردیا تھا۔

ہنستے مسکراتے' باتیں کرتے وہ سب مگن سے آگے بڑھ رہے تھے جب اچانک بادل بڑی زور سے گرجے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے ننھی ننھی بوندیں برسنے لگی تھیں۔

"کم آن گرلز! واپس چلیں' اس سے پہلے کہ بارش تیز ہوجائے!" پرنسپل کی ہدایت پہ وہ بھی سب ٹیچرز کے ساتھ مل کے لڑکیوں کی جانب بڑھی تھی جو "میڈم پلیز ابھی نہیں" کی رٹ لگائے کسی طور واپس جانے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ اس دوران بوندیں پھوار میں تبدیل ہوگئی تھیں۔

بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں اضافہ ہوا تو ناچار لڑکیوں کو بھی اپنی ضد چھوڑ کے واپسی کی راہ لینی پڑی۔ آگے بڑھتی لڑکیوں میں انابیہ نے بشریٰ اور نائمہ کو تلاشنا چاہا تھا' مگر ایک تو وہ لڑکیوں کے پیچھے تھی اور دوسرا تیز ہوتی بارش کی وجہ سے سب ہی اتنا تیز چل رہے تھے کہ اس کے لیے دونوں کو ڈھونڈنا مشکل ہوگیا تھا۔

"ارے وہ دیکھو۔ وہ اوپر کی طرف کون جارہا ہے؟"

نجانے کس کی آواز تھی' مگر گھبرا کر پلٹ کر دیکھنے والوں میں وہ سب سے پہلے تھی۔

"یہ تو بشریٰ اور نائمہ ہیں!" ایک اور آواز نے پہچان کا مرحلہ آن واحد میں طے کیا تو انابیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

وہاں موجود سارا گروپ اب با آواز بلند انہیں پکار رہا تھا' مگر وہ دونوں بنا پیچھے پلٹے تیز قدموں سے آگے بڑھتی جارہی تھیں۔

"یہ۔ یہ دونوں سن کیوں نہیں رہیں؟" میڈم نزہت نے پریشانی سے انابیہ کی جانب دیکھا۔ جو اپنا بدترین خدشہ سچ ہوتا دیکھ کے حواس باختہ سی آگے بڑھی تھی۔

"میڈم! آپ میرے ساتھ آئیں۔۔۔ زارا! تم سب نیچے جاؤ اور ٹیچرز میں سے کسی کو فوراً" واپس بھیجو۔" وہ رکے بنا پلٹ کر بولی تو میڈم نزہت انابیہ کے انداز سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی اس کے پیچھے لپکی تھیں۔ جبکہ زارا اور وہاں کھڑی لڑکیاں باقی سب کے جو کافی آگے نکل چکے تھے' پیچھے دوڑی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک بہت گھنے جنگل میں تنہا کھڑی سہمی ہوئی نظروں سے ہر سو پھیلتی تاریکی کو دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہی تھی۔ مگر نکلنے کا کوئی راستہ دور تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسے میں اچانک "آپی" کی پکار پہ وہ ایک پل کو ڈر کے رکی تھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ انابیہ کی آواز پہچانتے ہوئے دیوانہ وار آواز کی سمت دوڑی تھی۔

بھاگتے ہوئے درختوں کی سوکھی ٹہنیوں نے جگہ جگہ سے اس کے جسم اور چہرے کو چھیل ڈالا تھا' مگر وہ زخموں کی پرواہ کیے بنا بھاگی چلی جارہی تھی کہ معاً" ٹہنیوں میں پھنسا کوئی کپڑا اس کے چہرے سے آکر ٹکرایا تھا اور وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ تیزی سے چلتی سانس کے ساتھ اس نے بغور اس کپڑے کی طرف دیکھا تھا۔ وہ کسی کا دوپٹا تھا۔ بے اختیاری کے عالم میں اس نے ہاتھ بڑھا کے اس پھنسے ہوئے دوپٹے کو آنکھوں کے قریب کیا تھا اور پھر بری طرح چونک گئی تھی۔

وہ انابیہ کے اس سوٹ کا دوپٹا تھا جو وہ پکنک پہ پہن کے گئی تھی۔

بری طرح روتے ہوئے اس نے اس دوپٹے کو درختوں کی شاخوں سے نکالنا چاہا تھا' لیکن اس کی اس کوشش میں الجھا ہوا دوپٹا جگہ جگہ سے پھٹنے لگا تھا۔ تب ہی کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دھیرے سے پکارا تھا۔ "مومنہ! اٹھو بیٹا نماز کا وقت نکل رہا ہے۔" اور وہ جو گہری نیند میں تھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

اس کا جسم دھیرے دھیرے لرز رہا تھا اور سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔

"کیا ہوا موی بیٹا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" احسان صاحب بیٹی کی اڑی ہوئی رنگت دیکھ کے پریشان ہوگئے تھے۔

"بابا! میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔ بہت برا!" روہانسے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بے قراری سے باپ کا ہاتھ تھام لیا۔ "آپ پلیز بیہ کو واپس بلالیں۔ فوراً" بلالیں۔" آنسو بھری آنکھوں سے ان کی جانب تکتے ہوئے وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی تو پریشان سے احسان صاحب اس کے قریب بیٹھ گئے۔

"اللہ خیر کرے۔ تم اسے فون کرو' ہم ابھی اس سے بات کرلیتے ہیں بیٹا۔" اور مومنہ نے سرعت سے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا موبائل اٹھاتے ہوئے انابیہ کا نمبر ملایا تھا۔ لیکن دوسری جانب مسلسل بیل جاتی سن کے اس نے کال کاٹتے ہوئے دوبارہ سے نمبر ملایا تھا۔ لیکن بے سود۔

"بابا۔ وہ۔ وہ فون نہیں اٹھا رہی۔" وہ روہانسی ہوتے ہوئے بولی تو احسان صاحب اس کا سر سہلاتے

ہوئے بولے۔

"وہ اٹھائے گی بیٹا۔ تم حوصلہ تو کرو۔ بلکہ ٹھہرو میں ڈائری لاتا ہوں۔ اس میں ماہم کا نمبر ہے۔ ہم اسے کال کر کے دیکھ لیتے ہیں۔" وہ تیزی سے اٹھ کے باہر کی جانب بڑھے تو مومنہ نے اپنا سر تھام لیا۔

صبح جب انابیہ گھر سے نکل رہی تھی، تب ہی اسے عجیب سی گھبراہٹ نے آن گھیرا تھا جو پھر سارا دن اس کے دل پہ چھائی رہی تھی۔ لیکن جب دوپہر میں اس کا فون آیا تو اسے قدرے تسلی ہوئی تھی۔

دوپہر کا کھانا کھا کے وہ بچوں کو لیے عادت کے مطابق سونے کے لیے لیٹ گئی تھی اور اسی دوران یہ عجیب و غریب خواب اسے دکھائی دیا تھا۔

"میری بہن کی حفاظت فرمانا میرے مولا!" آنکھیں موندے اس نے دل کی گہرائیوں سے اپنے رب کو پکارا تھا۔ کہتے ہیں کہ فجر کے اور عصر کے وقت دیکھے گئے خواب سچے ہوتے ہیں اور مومنہ کو یہی خیال رہ رہ کے مزید پریشان کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تیزی سے برستی بارش نے اوپر کو جاتے اس راستے پہ قدم جمانا بہت مشکل بنا دیا تھا، اس پہ مستزاد گھبراہٹ اور پریشانی۔ وہ اپنی پوری طاقت صرف کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ اپنی اس کوشش میں وہ کتنی ہی بار پھسل کر گرتے گرتے بچی تھی۔ جس کے نتیجے میں کئی چوٹیں ہاتھ پاؤں پہ لگی تھیں۔ لیکن اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔

میڈم نزہت، جو کافی سینئر ٹیچر تھیں، ان کی ہمت تو کب کی جواب دے چکی تھی۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اور یہی چیز بشریٰ اور نائمہ کو بار بار پیچھے دیکھنے پہ مجبور کر رہی تھی۔

"نائمہ! جلدی کرو۔" پلٹ کر پیچھے دیکھتے ہوئے بشریٰ گھبراہٹ بھرے لہجے میں نائمہ سے مخاطب ہوئی تھی۔ ان دونوں کی منزل اس راستے کے اختتام پہ اوپر موجود سڑک تھی، جہاں ان دونوں کے بوائے فرینڈز گاڑی لیے ان کے منتظر تھے۔

دراصل نائمہ کا اگلے ہفتے اپنے کزن سے نکاح ہونے والا تھا۔ لیکن چونکہ بشریٰ کے توسط سے اس کی دوستی بشریٰ کے خالہ زاد حارث سے ہو گئی تھی اس لیے نائمہ کو اپنے والدین کا یہ فیصلہ کسی طور قبول نہ تھا۔

سارے حالات کو دیکھتے ہوئے بشریٰ نے نائمہ کو گھر سے بھاگنے کا مشورہ دیا تھا۔ جسے نائمہ نے تھوڑی سی پس و پیش کے بعد قبول کر لیا تھا۔

ان ہی دنوں کالج کی جانب سے یہ ٹرپ اناؤنس ہوا تھا اور ان دونوں کی جیسے ساری مشکل آسان ہو گئی تھی۔ بشریٰ نے حارث اور اپنے بوائے فرینڈ عماد کے ساتھ مل کر سارا پلان ترتیب دیا تھا۔ جس کے مطابق حارث اور عماد ایک دن پہلے ہی اسلام آباد پہنچ کر اس ریسٹ ہاؤس اور اردگرد کے علاقے کا اچھی طرح سے جائزہ لے چکے تھے۔ ان تینوں کی مہارت اور مضبوط پلاننگ نائمہ کو حیران کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کامیابی کا بھی یقین دلا گئی تھی۔ وہ خوش تھی ۔۔ بے حد خوش۔

ریسٹ ہاؤس پہنچ کر انہوں نے صرف ایک میسج کیا تھا اور لڑکوں نے انہیں سڑک تک پہنچنے کا ایک راستہ سمجھاتے ہوئے تسلی سے صحیح موقع ڈھونڈنے کو کہا تھا۔ کھانے کے بعد باہر گھومنے کا شور اٹھا تو بشریٰ نے نائمہ کو اشارہ کر دیا۔ اس کے نزدیک ڈھیروں لڑکیوں میں سے نظر بچا کے غائب ہونے کا یہ اچھا موقع تھا۔ بارش کی وجہ سے مچنے والی ہلچل کا ان دونوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتیں اگر جو پانچ چھ لڑکیوں کا یہ گروپ انہیں دیکھ نہ لیتا۔

ان سب کے پکارنے کے باوجود وہ دونوں نہیں رکی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ جب تک کسی کی سمجھ میں آئے گا کہ وہ کہاں جا رہی ہیں؟ اور کیوں جا رہی ہیں؟ وہ سڑک تک پہنچ جائیں گی۔ لیکن برا ہو تیز ہوتی بارش

اور انابیہ احسان کا جو محض چند لمحوں کے توقف کے بعد ہی دیوانہ وار ان کی جانب دوڑ پڑی تھی۔ اسے مسلسل اپنے پیچھے آتا دیکھ کے دونوں کو پریشانی اور گھبراہٹ نے آن گھیرا تھا۔

"بشریٰ! میں مزید تیز نہیں چل سکتی۔" نائمہ نے ہانپتے ہوئے جواب دیا تو بشریٰ نے دانت پیستے ہوئے ایک نظر تعاقب کرتی انابیہ پہ ڈالی اور پلٹ کر نائمہ کا بازو دبوچتی اوپر کو بڑھنے لگی۔ وہ دونوں سڑک کے خاصی قریب پہنچ چکی تھیں۔ حارث اور عماد انہیں اوپر آتا دیکھ کر لپک کے آگے کو بڑھے تھے۔ مضبوطی سے ڈھلان پہ قدم جماتے ہوئے عماد نے بشریٰ کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے اوپر کھینچ لیا تھا۔

"یہ۔ یہ تمہارے پیچھے کون آرہا ہے؟" عماد کی نظر جونہی انابیہ پہ پڑی اس کی پیشانی پہ شکنیں نمودار ہوگئیں۔ اس کی بات پہ حارث نے بھی تیزی سے پلٹ کر نیچے دیکھا تھا۔

"ہے ہماری ایک ٹیچر' کمبخت نے دیکھ لیا ہے ہمیں۔" بشریٰ نے ہانپتے ہوئے کہا تو عماد نے پلٹ کر گہری نظروں سے اس نازک اور شفاف وجود کی جانب دیکھا جو بارش اور دشوار راستے کی پرواہ کیے بنا تیزی سے اوپر چڑھنے میں مصروف تھی۔

"اب دیکھ کیا رہے ہو' چلو نا!" عماد کو بت بنا دیکھ کے بشریٰ نے چڑ کر کہا تو عماد کی سوچ میں ڈوبی آنکھیں انابیہ سے ہٹ کر بشریٰ پہ آٹھہریں۔ اگلے ہی لمحے اس نے بشریٰ کی کلائی پکڑتے ہوئے اسے اپنے قریب کرلیا۔

"اس ہیرے کو بھی کیوں نہ اپنے ساتھ لے چلیں۔" انابیہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے سرگوشی کی تو بشریٰ نے ٹھٹھک کر نیچے کی جانب دیکھا۔

"لیکن اس نائمہ سے کیا کہیں گے؟" بشریٰ نے سوالیہ نظروں سے عماد کی طرف دیکھا۔

"وہ ہوش میں رہے گی تو اس سے کچھ کہیں گے نا۔"

"اسے تم گاڑی میں لے جاکے فرنٹ سیٹ پہ رکھی کولڈ ڈرنک پلاؤ۔ میں تب تک اسے قابو میں کرتا ہوں۔" اس کی بات پہ بشریٰ تیز قدموں سے حارث کے ساتھ کھڑی نائمہ کی جانب بڑھ گئی تھی اور پھر وہ دونوں اسے لے کر گاڑی کی طرف چلے گئے تھے۔

اس دوران انابیہ بھی گرتی پڑتی سڑک کے قریب پہنچ ہی گئی تھی۔ بشریٰ اور نائمہ کو کسی آدمی کا سہارا لے کر اوپر چڑھتے اس نے خود دیکھا تھا۔ اور اس کا دل ملال کے ساتھ ساتھ شدید غصے سے بھر گیا تھا۔

اپنے جسم کی پوری طاقت لگاتے ہوئے وہ آخری چند قدم اٹھاتی اوپر آئی تھی۔ اور پھر ایک پتھر کا سہارا لیتے ہوئے وہ سڑک کے کنارے پر چڑھ آئی تھی۔ پھولی سانس کے درمیان تھوک نگلتے ہوئے اس نے بے جان ہوتی ٹانگوں پہ بے اختیاری کے عالم میں ہاتھ رکھتے ہوئے بے چینی سے برستی بارش میں اپنے اردگرد دیکھا تھا اور جوں ہی اس کی نظر سڑک کے دوسری جانب قدرے آگے کو کھڑی گاڑی پہ پڑی تھی' وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوسرے کے بعد تیسرا قدم اٹھاتی' کسی نے اس کے وجود کو پیچھے سے جکڑ لیا تھا۔

چیختے ہوئے اس نے اپنا آپ چھڑانے کی کوشش میں بھرپور مزاحمت کی تھی۔ لیکن اس مضبوط شکنجے سے نکلنا اتنا آسان نہ تھا۔ تب ہی ایک کپڑا ناک اور منہ پر مضبوطی سے جما دیا گیا تھا بری طرح مچلتے ہوئے اس نے اپنے منہ پہ جمے ہاتھ کو ہٹانا چاہا تھا۔ لیکن اس کی ہر کوشش آنکھوں کے آگے چھائے اندھیرے کے آگے دم توڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماہم کا نمبر ملاتے ہوئے مومنہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے کال ریسیو کرتے ہی مومنہ نے بے قراری سے انابیہ کے بارے میں استفسار کیا تو جوابا" ماہم نے اسے ساری ٹیچرز کے ساتھ انابیہ کے باہر جانے کے متعلق بتاتے ہوئے ان سب کا حال' احوال دریافت کیا تھا۔ مومنہ کا انداز اسے بھی پریشان کر گیا تھا۔

انابیہ کی واپسی پہ رنگ بیک کروانے کا کہتے ہوئے ماہم فون بند کرکے باہر برآمدے میں آکھڑی ہوئی تھی۔ موسلادھار بارش اور آسمان پہ چھائے گہرے بادلوں نے دن کے اجالوں میں ہی ڈھلتی شام کا سماں بنا دیا تھا۔ موسم کے تیور دیکھتے ہوئے اسے پریشانی ہو رہی تھی کہ یہ سب اب تک لوٹے کیوں نہ تھے؟

چپراسی وغیرہ کو ان لوگوں کے پیچھے بھیجنے کا سوچتے ہوئے وہ قدرے ہٹ کرنے سرونٹ کوارٹرز کی طرف جانے کو آگے بڑھی ہی تھی کہ دور موجود گیٹ سے بہت سی لڑکیاں اور ٹیچرز اندر داخل ہوئی تھیں۔ انہیں آتا دیکھ کے ماہم اپنی جگہ پر رک گئی تھی۔ لیکن جب کچھ ٹیچرز سرونٹ کوارٹرز کی جانب بھاگیں تو وہ بے اختیار چونک گئی۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ لوگ؟" بارش میں شرابور وہ سب آگے پیچھے دوڑتی ہوئی برآمدے میں داخل ہوئیں تو ماہم اپنی جھنجلاہٹ ظاہر کیے بنا نہ رہ سکی۔

"غضب ہوگیا ماہم! وہ بشریٰ اور نائمہ نہیں ہیں۔ وہ دونوں نجانے کب اور کیسے سب سے چھپ کر ایک جانب کو بھاگے جارہی تھیں کہ کچھ لڑکیوں اور انابیہ نے انہیں دیکھ لیا۔" اس کی کولیگ ارم تیزی سے اس کے قریب آتے ہوئے بولی تو ماہم کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"کیا؟"

"ہاں۔ انابیہ اور میڈم نزہت تو اسی وقت ان دونوں کے پیچھے بھاگی تھیں۔ لیکن ہم چونکہ آگے آگئے تھے۔ اس لیے ہمیں تھوڑی دیر میں پتا چلا۔ پتا لگتے ہی سعدیہ' حمیرا اور نادیہ کو پرنسپل نے ان کے پیچھے دوڑایا تھا اور اب فورا" سرور وغیرہ کو بھیجنے کے لیے کہا ہے۔" ارم نے ساری تفصیل ماہم کے گوش گزار کی تو ماہم کا سر چکرا گیا۔

"تو کیا وہ پکڑی نہیں گئیں؟"

"کچھ پتا نہیں۔ ابھی تک ان کے پیچھے جانے والوں میں سے کسی کی بھی واپسی نہیں ہوئی۔" وہ پریشانی سے بولی تو ماہم نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔

"اوہ میرے خدا! یہ۔ یہ کیا ہوگیا؟" اس کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اطلاع تھی یا کوئی بم' جس نے "احسان ہاؤس" میں حشر برپا کردیا تھا... انابیہ اپنی دو اسٹوڈنٹس کے ساتھ اچانک لاپتا ہوگئی تھی۔ کہاں؟ کیسے؟ کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ان دو لڑکیوں کا تعاقب کرتے ہوئے اوپر کو جاتے راستے کی طرف گئی تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔

اطلاع ملنے کے فورا" بعد احسان صاحب تو اسلام آباد کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ جبکہ تڑپتی ہوئی مومنہ پیچھے بچوں کے ساتھ اکیلی رہ گئی تھی۔ اس کا خواب ایک بھیانک حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

وہاں اس دوران پولیس بلوالی گئی تھی۔ جنہوں نے بروقت ایکشن لیتے ہوئے اردگرد کے علاقے کی چھان بین شروع کروانے کے ساتھ ناکہ بندی بھی کروادی تھی۔ ضروری پوچھ گچھ اور زبان بندی کی سخت تاکید کے بعد تمام اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز کو واپس لاہور کے لیے روانہ کردیا گیا تھا۔ صرف کالج کی پرنسپل' وائس پرنسپل' چند ایک سینئر ٹیچرز اور میڈم نزہت وہاں رک گئی تھیں۔ میڈیا والوں کو اس نازک معاملے سے دور رکھنے کے لیے پرنسپل صاحبہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا' تب کہیں جاکے وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئی تھیں۔

نائمہ کے والدین بھی اسلام آباد پہنچ گئے تھے۔ لیکن بشریٰ کے گھر والوں سے رابطہ کرنے میں وہ اگلی صبح تک ناکام رہے تھے۔ کالج میں لکھوایا گیا اس کا فون نمبر غلط تھا۔

اس حقیقت کے سامنے آتے ہی اسلام آباد پولیس نے لاہور پولیس سے رابطہ کرتے ہوئے بشریٰ نامی اس

لڑکی کے گھر جاکے ساری صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے کہا تھا۔
لیکن جب پولیس کالج سے اس کا ایڈریس لے کے مطلوبہ جگہ پہ پہنچی تو پتا چلا کہ وہ ایڈریس بھی غلط تھا۔
اس انکشاف نے جہاں سب کو چونکا دیا تھا وہیں احسان فاروق اور نائمہ کے گھر والے دل تھام کے رہ گئے تھے۔ ان کے لیے تو یہ تصور ہی سوہان روح تھا کہ ان کی بیٹیاں کسی حادثے کا شکار نہیں بلکہ شاید اغوا کی گئی تھیں۔
بشریٰ کی تلاش سارا دن جاری رہی تھی لیکن کہیں کوئی سراغ نہ ملا تھا۔
وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ اور ان تینوں لڑکیوں کے ساتھ در حقیقت کیا ہوا تھا؟ ان میں سے کسی بھی سوال کا فی الحال کوئی جواب سامنے نہ آسکا تھا۔

☼ ☼ ☼

انابیہ نے دھیرے دھیرے اپنی بوجھل آنکھیں کھولیں تو نظریں سیدھی چھت سے ہوتی ہوئی سامنے دیوار سے جا ٹکرائیں۔ لیکن وہ کتنی ہی دیر چت لیٹی ماؤف دماغ اور خالی نظروں سے اپنے سامنے دیکھے گئی۔
لیکن جوں ہی ذہن بیدار ہونے لگا' آنکھوں میں بھی پہچان کے رنگ واضح ہونے لگے۔ اجنبی درودیوار کا احساس آنکھوں کے رستے ذہن تک پہنچا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
خوف زدہ نظروں سے اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے اس نے خود پہ پڑا کمبل ہٹاتے ہوئے تیزی سے اٹھنا چاہا تھا۔ لیکن ذہن پہ چھایا غبار اتنا کثیف تھا کہ وہ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کی کوشش میں بری طرح لڑکھڑا گئی تھی۔
سر کو تھامتے ہوئے وہ اگلے ہی پل بیڈ پہ واپس بیٹھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ دکھتے سر کو دباتے ہوئے اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں ایک لمحے کو بند کی تھیں اور پورا واقعہ اپنی جزئیات سمیت اس کے ذہن کی اسکرین پہ روشن ہوگیا تھا۔
ایک جھٹکے سے آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے وحشت بھری نظروں سے اپنے اردگرد دیکھا تھا۔
"میں۔ میں تو وہاں بارش میں بشریٰ اور نائمہ کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ پھر یہ؟ یہ بھلا کون سی جگہ ہے؟" تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے اس نفیس کمرے کو دیکھا تھا۔ تب ہی اسے اپنے وجود کا پیچھے سے جکڑے جانا اور کسی کا اس کے منہ پہ کپڑا رکھنا یاد آیا تھا۔ اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی۔
"تو کیا۔ م۔ مجھے۔ اغ۔ اغوا کرلیا گیا ہے؟" بے جان ہوتے وجود کے ساتھ اس نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے اپنے چاروں طرف بے یقینی سے دیکھا تھا۔
"میں۔ میں اغوا ہوگئی ہوں؟ نو۔ نہیں نہیں!" نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ دیوانہ وار اٹھ کے دروازے کی جانب دوڑی تھی۔ پاگلوں کی طرح ہینڈل گھماتے ہوئے اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اسے بند پاکے بری طرح پیٹ ڈالا تھا۔
"کھولو! دروازہ کھولو۔ خدا کے لیے دروازہ کھولو پلیز۔ ہائے میرے اللہ! یہ... یہ کیا ہوگیا میرے ساتھ!" دونوں ہاتھوں سے ہینڈل تھامے وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی زمین پہ گرتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تھکا ہارا وہ جس وقت گھر لوٹا' گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی۔ سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا' سوائے پورچ اور لان کے' جس کی لائٹس اس کے لیے کھلی رہنے دی گئی تھیں۔
گاڑی کھڑی کرکے وہ چوکیدار کو تمام بتیاں بند کرنے کی ہدایت دیتا اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ لاؤنج کے داخلی دروازے کو لاک کرکے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔ گھڑی' موبائل' والٹ نکال کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے وہ بیڈ پہ بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا' جب اس کا موبائل دھیمے سُروں میں بجنے لگا تھا۔ ایک نظر گھڑی

پہ ڈالتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کے موبائل اٹھاتے ہوئے اسکرین کی جانب دیکھا تھا جہاں نیازی صاحب کا نام جگمگاتا دیکھ کے وہ یکدم الرٹ ہوگیا تھا۔
"السلام علیکم سر!" فون کان سے لگاتے ہوئے وہ مستعد لہجے میں بولا تھا۔
"وعلیکم السلام۔ آواز سے تو نہیں لگ رہا کہ تم سو رہے تھے۔ لیکن پھر بھی پوچھ لیتا ہوں میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" نیازی صاحب نے اپنے مخصوص شگفتہ لہجے میں استفسار کیا تو تیمور کے لب دھیرے سے مسکرا دیے۔
"ناٹ ایٹ آل سر۔ ان فیکٹ میں ابھی گھر آیا ہوں۔ آپ سنائیں سب خیریت تو ہے؟"
"ہاں خیریت ہی ہے۔ بس تمہیں ایک ضروری بات بتانا تھی۔" وہ سنجیدگی سے بولے تو تیمور کے چہرے پہ بھی سنجیدگی در آئی۔
"جی سر!"
"ایسا ہے کہ کل لاہور کے ایک گرلز کالج کی ٹیچرز اور اسٹوڈنٹس ٹرپ پہ یہاں آئی تھیں۔ ان کا اسٹے (قیام) شہر سے باہر خواجہ صاحب کے ریسٹ ہاؤس میں تھا۔ لیکن شام میں وہاں سے دو اسٹوڈنٹس اور ایک ٹیچر اچانک کہیں غائب ہوگئیں۔ پرنسپل نے پولیس کو کال کیا' جنہوں نے آنے کے بعد اردگرد کے علاقے کی چھان بین بھی کی اور شہر سے باہر جانے والے راستوں کی ناکہ بندی بھی کروادی' لیکن تینوں کا کہیں پتا نہیں چلا۔ خواجہ صاحب چونکہ پرنسپل کے رشتے دار تھے اس لیے دونوں نے مل ملا کے بات کو میڈیا تک نہیں پہنچنے دیا۔
لیکن پھر پتا چلا کہ ان میں سے ایک اسٹوڈنٹ جو حال ہی میں ٹرانسفر ہوکے اس کالج میں آئی تھی' اس کا فون نمبر اور ایڈریس دونوں غلط تھے۔ اس بات کے سامنے آتے ہی آج سارا دن لاہور پولیس اس لڑکی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔ پھر رات تقریباً گیارہ بجے مجھے آئی جی صاحب کی لاہور سے کال آئی۔ انہوں نے

ماہنامہ کرن

دسمبر 2012 کے شمارے کی ایک جھلک

✿ "ماریہ زاهد" سے شاہین رشید کی ملاقات،
✿ "سارہ رمزی" دو کے پہاڑے کے ساتھ،
✿ "آواز کی دنیا سے" اینکر اور آر جے "علی سومرو" کی باتیں،
✿ "مجھ سے ملیے" میں مصنفہ "سلویٰ علی بد" کی باتیں،
✿ "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
✿ "ساڈا چڑیا دا چنبا" نفیسہ سعید کا مکمل ناول دلچسپ موڑ پر،
✿ صدف ریحان گیلانی اور سمیرا شریف طور کے طویل مکمل ناول
✿ "باد صبا" نادیہ امین کا دلکش ناولٹ،
✿ "ہوئے تم مہربان" شازیہ جمال نیر کا دلچسپ ناولٹ،
✿ لبنیٰ طاہر، سمیرا احسان گل اور ریحانہ امجد بخاری کے ناولٹ،
✿ بشریٰ احمد، شبانہ شوکت، روبی نور النساء، سیدہ عجیبہ بخاری اور صبا بخاری کے افسانے اور مستقل سلسلے،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

موسم سرما میں اپنی صحت اور حسن کی حفاظت کریں اور طرح طرح کے پکوان سے اس موسم میں لطف اندوز ہوں

کرن کتاب "موسم سرما کا استقبال کریں"

اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کرے گی۔ جو کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

مجھے ساری بات بتاتے ہوئے اس معاملے کو اپنے طور پر دیکھنے کے لیے کہا۔ میں نے انہیں تو نہیں بتایا لیکن ان کی بات سن کے مجھے تمہاری بتائی ہوئی تفصیل یاد آئی تھی۔ تم نے اس دن بتایا تھا نا کہ اس گروہ کے ایجنٹ گرلز کالجز اور وومن ہاسٹلز کے اندر تک گھسے ہوئے ہیں؟"

"جی سر!"

"تو بس مجھے لگتا ہے اس لڑکی کا تعلق اسی گروہ سے ہے۔ اور یہ ان ہی کا کام ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے تیمور کی رائے جاننا چاہی۔

"میں بھی آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ یہ ان ہی کا کام لگتا ہے۔" اس نے نیازی صاحب کی تائید کی۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟" انہوں نے سوال کیا۔

"آپ مجھے دو دن دیں، میں پتا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" تیمور نے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم دیکھ لو۔ ویسے تم لوگوں کا پلان آف ایکشن تو تیار ہے نا؟"

"جی سر! ہم کل آکر اسے آپ سے ڈسکس کرنے والے تھے۔ لیکن اب اس نئے مسئلے کی وجہ سے ہمیں چند دن مزید رکنا پڑے گا۔" تیمور نے انہیں مطلع کیا تو اجمل نیازی تشویش سے بولے۔

"یہ تاخیر تمہارے لیے کوئی مسئلہ تو نہیں کھڑا کردے گی؟ میرا مطلب ہے اتنی محنت پر کہیں پانی نہ پھر جائے۔"

"نو سر! آپ بے فکر رہیں۔ کیس پوری طرح سے میرے ہاتھ میں ہے۔" تیمور مطمئن سا بولا تو اجمل صاحب بھی پرسکون ہو گئے۔

"دیٹس گڈ۔ چلو پھر جیسے ہی کوئی بات پتا چلے تو مجھے انفارم کرنا۔"

"جی سر۔ او کے۔ اللہ حافظ!" الوداعی کلمات کہتے ہوئے تیمور فون بند کرتا اس ساری بات پہ ازسرنو غور کرتے ہوئے اپنے لائحہ عمل کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا؟" احسان صاحب کی بات پہ فون کان سے لگائے کھڑی مومنہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی تھی۔ رنگ یک لخت لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹا! اب تک جو بھی ثبوت سامنے آئے ہیں اس سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ انابیہ اور اس بچی نائمہ کو اغوا کیا گیا ہے۔ اور وہ لڑکی بشریٰ ان کے اس اغوا میں ملوث ہے۔" احسان صاحب دل گرفتی سے بولے تو مومنہ تڑپ اٹھی۔

"لیکن آپ نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" اس کے آنسوؤں میں شدت در آئی۔

"اس لیے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ محض مفروضوں کو تم تک پہنچا کر میں تمہیں مزید پریشان کروں۔ لیکن جب آج بھی سارا دن لاہور میں پولیس کو اس لڑکی، بشریٰ کے بارے میں کوئی سراغ نہ مل سکا تو یہاں ایس پی صاحب نے ہمیں صاف کہہ دیا کہ یہ کسی حادثے کا کیس نہیں بلکہ اغوا کا کیس ہے۔" احسان فاروق بوجھل لہجے میں بولے تو مومنہ کے لیے مزید اپنی ٹانگوں پہ کھڑے رہنا ممکن نہ رہا۔ زاروقطار روتے ہوئے وہ پاس پڑے کاؤچ پہ گر سی گئی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا۔ ہماری بیبہ اغوا۔۔۔ یااللہ! ہم کیا کریں گے۔ یہ۔ یہ کیا ہو گیا بابا!" بے ربط جملوں کے درمیان انہیں پکارتی وہ دھاڑیں مار مار کر رو پڑی تو دوسری جانب احسان صاحب کی اپنی آنکھیں بھی چھلک اٹھیں۔

"چپ ہو جاؤ بیٹا۔ چپ ہو جاؤ۔ بچوں نے تمہیں یوں روتے دیکھا تو پریشان ہو جائیں گے۔"

"کیسے چپ ہو جاؤں بابا؟ ہم سب تو مر جائیں گے اگر بیبہ نہ ملی۔ آپ۔ آپ پلیز اسے کہیں سے بھی ڈھونڈ کر لے آئیں نا۔ اپنے کسی دوست، جان پہچان والے کسی سے بات کریں۔ کچھ کریں بابا، نہیں تو میرا دل بند ہو جائے گا!" وحشت زدہ سی ہو کر بولتی وہ آخر میں پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تو احسان فاروق سے مزید اس کا تڑپنا برداشت نہ ہو سکا۔

ریسیور واپس رکھتے ہوئے انہوں نے شدید بے بسی کے عالم میں دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا تھا۔

"یا اللہ! میرے بڑھاپے پہ رحم فرمانا، میری بچی کی جان اور عصمت کی حفاظت فرمانا میرے مولا، نہیں تو میں مر جاؤں گا، مر جاؤں گا!" زاروقطار روتے ہوئے انہوں نے دل کی گہرائیوں سے اپنے رب کو پکارا تھا۔

☼ ☼ ☼

سارا دن گزر گیا تھا۔ اسے بھوکے پیاسے، روتے اور چلاتے ہوئے لیکن کسی نے دروازہ کھولنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ یوں جیسے اس کے اردگرد کوئی ذی نفس موجود نہ ہو۔ اب تو انابیہ کی ہمت اور گلا بھی جواب دے گئے تھے۔ رو رو کے آنکھیں اتنی سوج گئی تھیں کہ کھولنا محال ہو رہا تھا۔

دبیز قالین پہ گری وہ نڈھال سی ٹانگوں کے گرد بازو لپیٹے گھٹنوں پر پیشانی ٹکائے ہوئے تھی۔ شل ہوتا دماغ اس پل عجیب سوئی جاگی سی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا۔ جب گھڑی کی ٹک ٹک کے درمیان ایک "ٹک" اور ہوا تھا۔ مگر اس کی سماعتوں نے اسے محسوس نہیں کیا تھا۔

لیکن جوں ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اس نے ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر سر اٹھایا تھا اور اپنے سامنے دو مردوں اور ایک عورت کو پا کے اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا تھا۔

"کک۔ کون ہو تم لوگ؟ اور مجھ۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" خوف زدہ نظروں سے ان کی جانب تکتے ہوئے اس نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسے جواب دینے کی زحمت نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ تینوں ہی خاموش کھڑے تولتی نظروں سے اس کا جائزہ لیتے رہے تھے۔

ان کی آرپار ہوتی نگاہوں نے انابیہ کے خوف میں اضافہ کرتے ہوئے اسے خود میں سمٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ تب ہی قیمتی لباس اور زیورات سے سجی سامنے کھڑی اس عورت کے وجود میں حرکت ہوئی تھی اور انابیہ کی ڈری سہمی نظریں لحظہ بہ لحظہ اپنی جانب آتی اس عورت پہ جم گئی تھیں، جو اس کے بے حد قریب آکے رک گئی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنے ہیروں اور موتیوں سے سجے ہاتھ میں پکڑے نفیس سے پرس کو کھول کے اس میں سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکالے تھے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہیں انابیہ کے سر پہ سے وار کر پیچھے کھڑے آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔ وہ اس عنایت پہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

"مان گئے عماد جان! یہ تو واقعی ہیرا ہے ہیرا!" اس نے مسکراتے ہوئے جھک کر انابیہ کی ٹھوڑی چھونا چاہی تو وہ جو اب تک اس کی حرکت پہ حیران پریشان بت بنی بیٹھی تھی، غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے رخ پھیر گئی۔ مگر وہ عورت اس کی حرکت کا برا مانے بنا یونہی مسکراتی ہوئی سیدھی ہوتی اس لڑکے کی جانب پلٹ گئی تھی۔

"ایسا کرو، اس دوسری لڑکی کو آگے روانہ کر دو اور جہانگیر سے کہہ دو کہ خانم نے اسے اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔" وہ اس لڑکے سے مخاطب ہوئی تو انابیہ کا خوف وحشت میں بدل گیا۔ اس عورت کا انداز، لباس ہر چیز چیخ چیخ کر جس بات کا اعلان کر رہی تھی، اسے سوچ کر ہی خون اس کی رگوں میں منجمد ہونے لگا تھا۔ یہ کن لوگوں کے درمیان آپھنسی تھی وہ۔ بے اختیار اسے اپنے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہوئی تھیں جبکہ آنکھیں مارے وحشت کے اس عورت کی پشت پہ جم گئی تھیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے خانم! لیکن جہانگیر صاحب نے کہا ہے کہ آگے لڑکیوں کی زیادہ ضرورت ہے۔"

"اس کی ضرورت صرف دھندا ہے چاہے وہاں ہو یا یہاں۔ اس لیے جیسا کہا ہے ویسا کرو۔" اس کی بات کے جواب میں وہ قدرے رعب سے بولی تو سامنے کھڑے لڑکے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جبکہ لفظ "دھندا" کوڑے کی صورت انابیہ کے وجود پہ برس کر اسے چلانے پر مجبور کر گیا۔

"خبردار! جو تم میں سے کسی نے مجھ پہ غلط نگاہ بھی ڈالنے کی کوشش کی۔ میں تم لوگوں کی آنکھیں نوچ لوں گی۔ سمجھے!" بھپر کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے وہ بے خوفی سے انگلی اٹھاتے ہوئے بولی تو فیروزہ کے چہرے پہ اک طنزیہ مسکراہٹ در آئی۔

"تمہارا یہ نڈر انداز اچھا لگا۔ لیکن کیا ہے میری جان! کہ تمہارا یہ حوصلہ اور ہمت تمہیں پہلے ہی کافی مہنگا پڑ چکا ہے۔ اس لیے اپنی مشکلات میں مزید اضافہ مت کرو۔ فیروزہ نے تو اچھے اچھوں کے کس بل نکال دیے ہیں۔ پھر تم تو بہت دھان پان سی گڑیا ہو میری جان!" ہاتھ بڑھا کے اس کے چہرے پہ بکھری لٹیں نرمی سے اس کے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے وہ انتہائی سرد نظروں سے انابیہ کو گھورتے ہوئے بولی تھی۔ لیکن انابیہ نے اس کی دھمکی کو خاطر میں لائے بنا ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"میں اپنی جان دے دوں گی، مگر تمہیں تمہارے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔" بھرائی ہوئی آواز میں وہ بے اختیار چلا اٹھی تھی۔

"چلو تو تم اپنی جان دینے کی تیاری کرو اور میں اپنے ارادوں کو تکمیل تک پہنچانے کا بندوبست کرتی ہوں۔ دیکھتے ہیں، کس کی ہار ہوتی ہے۔" وہ اک تمسخرانہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتی، دروازے کی طرف بڑھ گئی تو قدرے فاصلے پہ کھڑا وہ لڑکا بھی طنزیہ ہنکارا بھرتا اس کے پیچھے نکل کر دروازہ لاک کر گیا۔

اور انابیہ احسان جواب تک خود کو بہت مشکل سے سنبھالے ہوئے تھی، بھربھری ریت کی مانند زمین پہ گرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

دستک دے کے کوئی اندر چلا آیا تھا اور تیمور جو بریف کیس پہ جھکا فائلز چیک کر رہا تھا، صبح صبح اپنے سامنے ماہین ضیا کو پاکے کوفت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ مگر اپنے تاثرات اس نے چہرے پہ نہیں آنے دیے تھے۔

"ہیلو، کیسے ہو؟" خوشگوار سی مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ، صبح صبح کیسے آنا ہوا؟" وہ ہاتھ میں پکڑی فائل پلٹ کے بریف کیس میں رکھتے ہوئے بولا تو ماہین اس کی چوڑی پشت کو میٹھی میٹھی نظروں سے تکتے ہوئے بولی۔

"تمہارے لیے۔" اس کے جواب پہ تیمور نے رخ موڑ کے دایاں ابرو اچکاتے ہوئے سنجیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ یک لخت گڑبڑا سی گئی۔ "میرا مطلب ہے تمہارے لیے اسپیشل ناشتا بنا کر لائی ہوں۔۔۔"

"ناشتا؟ اور وہ بھی تم بنا کر لائی ہو؟ خیر تو ہے، یہ آج تم نے کچن کو کیسے رونق بخش دی؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔

"بس یونہی دل کر رہا تھا۔" وہ چاہ کر بھی "تمہارے لیے کچھ خاص کرنے کو" کا اضافہ نہیں کر سکی تھی۔ حالانکہ وہ اچھی خاصی بولڈ اور پراعتماد لڑکی تھی۔ بات کرنے سے پہلے سوچنا اس کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ نہ ہی ان کا لائف اسٹائل سوچنے اور تولنے کے گرد گھومتا تھا۔ لیکن تیمور کا مزاج اور خاص کر حالات کا تقاضا اسے اس کے سامنے سنبھل کر رہنے پر مجبور کرتے تھے۔ اگر جو پھپھو (تیمور کی ممی) کی سپورٹ نہ ہوتی تو وہ نجانے کب کی اس محاذ پر ہار مان چکی ہوتی۔ لیکن ایک اس کی شیریں پھپھو اور دوسرے اس کے پاپا، جو ہر حال میں یہ رشتہ جوڑنا چاہتے تھے۔ باوجود اس کے کہ تیمور کو اول روز سے یہ پرپوزل قبول نہ تھا اور اب تو وہ سرے سے شادی سے ہی انکاری تھا، مگر پھر بھی یہ دونوں بہن بھائی کسی طور بھی اس خیال کو نہ اپنے دل سے نکالنے کے لیے تیار نہ تھے اور نہ ہی ماہین کا حوصلہ گرنے دیتے تھے۔ جبکہ خود ماہین کو کسی بھی طرح یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہ آ رہی تھی۔ تیمور کی ذات پچھلے چار سال سے جس خول میں مقید تھی اس پہ کوئی اسم کام کرتا کم از کم اسے تو نظر نہیں آ رہا تھا۔

"چلو دیٹس گڈ۔ لیکن تم نے خواہ مخواہ زحمت کی۔ تمہیں معلوم تو ہے کہ میں صبح ناشتے میں سوائے جوس کے اور کچھ نہیں لیتا۔" وہ بریف کیس بند کرتا پلٹ کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا تو ماہین کے جذبات پہ اوس سی گر گئی۔

"ہاں، وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کبھی کبھی تو روٹین چینج کی جا ہی سکتی ہے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی تو تیمور آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے متاسف سا ہو گیا۔

نجانے کیوں ممی اور ماموں اس اچھی سی لڑکی کی زندگی اور ذہن دونوں خراب کرنے پہ تلے ہوئے تھے۔ حالانکہ ممی اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ وہ ماہین تو کیا کسی بھی لڑکی سے شادی کے لیے تیار نہیں۔ لیکن وہ نجانے کس آس پہ یہ سب کر رہی تھیں اور تیمور جو ماں سے پہلے ہی شرمندہ تھا، انہیں کھل کر کبھی نہیں بتا سکا تھا کہ وہ ابھی تک اپنے پچھلے غلط فیصلے کے پچھتاوے سے نکل نہیں پایا تھا۔ پھر بھلا وہ کس کی زندگی کو اپنی ذات کے ادھورے پن کی نذر کر کے نئے پچھتاووں اور شرمندگی کو کیسے خرید سکتا تھا؟ وہ جانتا تھا کہ اصولاً "اب اسے اپنی ماں کی دلی خواہش کا احترام کرنا چاہیے کہ وہ اب اس کا حق رکھتی تھیں، لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتا جو ختم ہو چکا تھا۔ مر چکا تھا۔ جس میں کسی کو بھی دینے کے لیے کچھ نہ بچا تھا اور یہ اس جیسے کھرے بندے کے نزدیک آنے والی کے ساتھ بہت بڑی زیادتی تھی، جس کا کم از کم وہ متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

"روٹین چینج کی جا سکتی ہے، لیکن فطرت نہیں۔ اور ماہین! میری یہ فطرت ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا، کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ تم میری بہت اچھی کزن ہو۔ اس لیے میری تم سے ریکویسٹ ہے کہ تم اپنی زندگی کا کوئی بہتر اور اچھا فیصلہ کر لو، میں حقیقتاً" تمہارے تو کیا کسی بھی لڑکی کے قابل نہیں۔" دھیرے دھیرے بولتا وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا تو ماہین کی بے یقین آنکھیں اس کے وجیہہ چہرے پہ جم سی گئیں۔ تیمور نے آج پہلی بار اپنا انکار واشگاف الفاظ میں اس کے سامنے بیان کیا تھا اور آج پہلی ہی بار ماہین ضیاء کو اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا تھا کہ اس کے لیے اس شخص کو کھونا آسان نہ تھا۔

اس کے کٹیلے لفظوں کی دھار دل کو زخمی کرنے لگی تو بے اختیار ماہین کی آنکھیں بھر آئیں۔ جنہیں دیکھ کر قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی تیمور کو اپنا آپ اس کا مجرم لگنے لگا۔ بے اختیار ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے ماہین کا ہاتھ تھامنا چاہا تو وہ آہستگی سے اس کا ہاتھ جھٹکتی، پلٹ کر تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گئی اور پیچھے کھڑا بے بس سا تیمور فقط لب بھینچ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

دوسرا دن شروع ہو چکا تھا، لیکن کوئی معجزہ رونما نہیں ہوا تھا۔ لڑکیوں کا کہیں کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ احسان صاحب سخت پریشانی کے عالم میں وہیں اسلام آباد میں تھے۔ ساری زندگی ایک استاد کی حیثیت سے جو نیک نامی اور عزت کمائی تھی، وہ انہیں بدنامی کے شعلوں کی نذر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی کسی سے کچھ کہہ نہیں پا رہے تھے۔ بیٹی جیسا نازک اور حساس معاملہ تھا، وہ بھلا کس منہ سے کسی اپنے یا پرائے سے مدد طلب کرتے؟ وہ تو پرنسپل صاحبہ اور خواجہ صاحب کے بھی بے حد شکرگزار تھے جنہوں نے اپنا سارا اثر و رسوخ لگاتے ہوئے بات کو میڈیا والوں کے ہاتھ لگنے سے بچا لیا تھا۔ ورنہ تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتے۔

ادھر لاہور میں تنہا مومنہ کی جان پہ بنی ہوئی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد احسان صاحب نے مومنہ سے مشورہ کر کے اپنے بڑے بھائی سے فون پہ بات کی تھی اور انہیں روتے ہوئے مکمل خاموشی کے کتنے ہی واسطے دے کر فوراً" پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ سب سے زیادہ پریشانی انہیں انابیہ کے سسرال کی جانب سے تھی۔ ڈاکٹر عمر سے اس کی منگنی ہوئے ابھی محض دو ماہ ہی ہوئے تھے۔

وہ پہلے ہی ایک بیٹی کے اجڑنے کا غم جھیل چکے

تھے' ایسے میں دوسری کی بربادی اور بدنامی وہ شاید کسی طور برداشت نہ کرپاتے۔

☼ ☼ ☼

اسے اس خوبصورت قید خانے میں قید ہوئے کتنے گھنٹے گزر چکے تھے' انابیہ کو اندازہ نہ تھا۔ لیکن کل رات اس کی زندگی کی بھیانک ترین رات بن کے گزری تھی۔

گھنگھروؤں اور سازوں کی آواز تلے وہ ساری رات چیخیں مارمار کے روتی رہی تھی اور اپنے رب کو مدد کے لیے پکارتی رہی تھی۔ دیوانہ وار اٹھ کر اس نے کتنی ہی بار کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن نہ تو فرار کی کوئی راہ سجھائی دی تھی اور نہ ہی کوئی ایسی چیز دکھائی دی تھی جسے اپنے اندر تک اتار کر وہ اس گھٹیا عورت سے لگی شرط ہی جیت جاتی۔ اسی وحشت کے عالم میں اس نے ملازمہ کے لائے ہوئے کھانے کو اٹھا کر دور پھینک دیا تھا۔

خدا خدا کر کے اس اذیت ناک رات کا اختتام ہوا تو وہ نڈھال سی وضو کر کے اپنے رب کے حضور سجدے میں گر گئی تھی۔ گڑگڑاتے ہوئے اس نے اپنے لیے غیب سے مدد مانگی تھی اور پھر یونہی روتے اور دعائیں مانگتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی' اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

☼ ☼ ☼

"خانم! اس کا جلد از جلد کوئی نہ کوئی بندوبست کریں۔ پورے شہر کی پولیس حرکت میں آئی ہوئی ہے۔ مت پوچھیں ہم نے کس مشکل سے بشریٰ اور نائمہ کو کراچی کے لیے روانہ کیا ہے۔" اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گونجتی مردانہ آواز اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی پیدا کر گئی۔ دم سادھے اس نے بامشکل تمام بند پلکوں کو جنبش سے روکا تھا۔ اور سوتی بن کر ان کی گفتگو سننے لگی تھی۔

"جانتی ہوں۔ اسی لیے سوچ رہی ہوں کہ آج رات ہی اس کا کام تمام کردوں۔ ایک بار پر کٹ گئے تو خود ہی کہیں جانے کے قابل نہیں رہے گی۔" فیروزہ کی سرد آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو انابیہ کے اندر طوفان برپا ہو گیا۔

"نن نہیں۔ یااللہ! مجھے موت دے دے' اس پامالی سے بہتر ہے کہ تو مجھے اس دنیا سے اٹھالے میرے مولا!"

"تم ایسا کرو کہ نوری سے کہو کہ وہ حسنی صاحب کو فون کر کے میری طرف سے آج کی خاص محفل میں بطور مہمان خصوصی مدعو کرے۔ مجھے یقین ہے یہ رئیس زادہ ہی اس ہیرے کی صحیح قیمت ادا کر سکے گا۔" فیروزہ کا مسکراتا لہجہ انابیہ کے جسم کا سارا خون نچوڑ لے گیا تھا۔ ذلت و رسوائی تلوار بن کے اس کے سر پہ لٹک رہی تھی اور کوئی جائے پناہ دور تک نظر نہیں آرہی تھی۔

"میرے خیال میں آپ اس سے خود بات کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔ اتنی موٹی آسامی سے لاپروائی برتنا ٹھیک نہیں۔" وہی مردانہ آواز ایک بار پھر ابھری۔

"ہوں... ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جواباً" فیروزہ کی پرسوچ آواز آئی تو انابیہ کے ہاتھوں میں نمی اتر آئی۔ "چلو میں جاکے فون کرتی ہوں۔ تم ایسا کرو کہ بے حد شان دار محفل کا اہتمام کرو۔ حسنی خود تو پیتا نہیں لیکن باقی سب کے لیے اے۔ ون قسم کے برانڈ منگوانا۔" وہ شاید اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بہتر۔ ویسے کتنی عجیب بات ہے نا خانم کہ اس حسنی کو شباب کا تو شوق ہے لیکن شراب کا نہیں۔" اس آدمی نے حیرت بھری آواز میں کہا تو فیروزہ ہنس دی۔

"اب تک تو شباب کو بھی دور دور سے ہی دیکھتا رہا ہے۔ عجیب مغرور بندہ ہے۔ آج دیکھتی ہوں اس پری وش کی تاب کیسے لاتا ہے۔" وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے شاید دروازے کی جانب بڑھے تھے' کیونکہ ان کی آوازیں قدرے دور ہو گئی تھیں۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تو انابیہ نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے وحشت بھری نظروں سے اپنے اردگرد دیکھا تھا اور خود کو ہر طرح سے بے دست وپا پا کے ایک بار پھر زاروقطار رونا شروع کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آفس میں مختلف کام نپٹاتے ہوئے تیمور کے ذہن میں مسلسل ایک کھچڑی سی پک رہی تھی۔ اس نے نیازی صاحب سے کہہ تو دیا تھا کہ وہ غائب ہونے والی لڑکیوں کے بارے میں پتا لگوانے کی کوشش کرے گا' لیکن اب کوئی مناسب اور کارگر قسم کا لائحہ عمل اسے سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے اس سلسلے میں باری سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن تب ہی ایک چونکا دینے والی بات ہوئی تھی اور اس کی مشہور زمانہ چھٹی حس نے اسے الرٹ کردیا تھا کہ ہو نہ ہو اس کا تعلق ان لڑکیوں سے ہے۔

دل ہی دل میں اپنے اندازے کے درست ہونے کی دعائیں کرتے ہوئے وہ چند ایک ضروری کام نپٹاتا' اٹھ کر نیازی صاحب کے کمرے کی طرف چلا آیا تھا۔ اسے ان لڑکیوں کا بائیوڈیٹا بمع تصاویر کے فوری مطلوب تھا۔ لیکن آگے نیازی صاحب کو نہ پا کے وہ سخت بدمزہ ہوا تھا۔ وہ آج دوپہر سے ایک میٹنگ کے سلسلے میں پی ایم صاحب کے آفس گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی کا کچھ پتا نہ تھا۔

ان کی غیر موجودگی نے اس کا آسان ہوتا کام ایک بار پھر خاصا مشکل بنا دیا تھا۔ لیکن چونکہ اس کے پاس وقت نہ تھا' اس لیے اس نے سب کچھ اللہ پہ چھوڑتے ہوئے اپنی عقل کے سہارے ان انجان لڑکیوں کا سراغ لگانے کی ٹھانی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جب سے یہاں آئی تھی' رزق کا ایک دانہ بھی اس کے منہ میں نہیں گیا تھا۔ اس پہ مستزاد ذہنی دباؤ اور دن رات کا رونا۔ وہ اتنی نقاہت محسوس کررہی تھی کہ سر اٹھانا محال ہو گیا تھا۔ جبکہ اسے اپنی حفاظت کے لیے ہمت اور طاقت کی ضرورت تھی۔ اس حقیقت کا احساس ہوتے ہی اس نے جوش کے بجائے ہوش سے کام لیتے ہوئے ملازمہ کا لایا ہوا کھانا خاموشی سے کھالیا تھا۔

اسے یوں چپ چاپ کھانا کھاتے دیکھ کے ملازمہ کے چہرے پہ اک طنزیہ مسکراہٹ در آئی تھی اور وہ اس بات کی اطلاع خوشی خوشی خانم کو دینے چل پڑی تھی۔

کھانا کھا کے نڈھال ہوتے وجود میں کچھ طاقت آئی تو گرتے ہوئے حوصلے بھی نئے سرے سے بلند ہو گئے۔ منہ ہاتھ دھو کے وہ اپنے بال سمیٹتی کمرے میں چلی آئی تھی اور پھر اس نے پورے کمرے کا از سرنو جائزہ لینا شروع کیا تھا۔

کھڑکی پہ پڑے پردے ہٹاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر بڑے سے سلائیڈنگ شیشے کے پار دیکھا تھا جہاں ایک دو فٹ کے فاصلے سے سامنے لوہے کا سرخ پینٹ شدہ اونچا سا شٹر اس طرح سے لگا ہوا تھا کہ اس کے درمیان موجود درزوں میں سے روشنی اور ہوا تو اندر آسکتی تھی' لیکن باہر دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ اور چونکہ کچھ نظر نہیں آرہا تھا تو انابیہ کے لیے یہ اندازلگانا بھی ممکن نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور اردگرد کیا ہے۔ حالانکہ کمرے کی بناوٹ اور آرائش بالکل جدید طرز کی تھی جسے دیکھ کر باآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کمرہ کسی اچھے خاصے بڑے گھر کا حصہ تھا۔ ایسے میں کھڑکی کے آگے یہ بڑا سا عجیب شٹر یقیناً" حفاظت کے لیے لگایا گیا تھا اور اس کو پار کرنا ناممکن تھا۔

بے بس نظروں سے اسے دیکھتی وہ پلٹ کر ایک بار پھر کمرے کے وسط میں آکھڑی ہوئی تھی۔ اس کی بے حد پریشان نظریں گھڑی کی طرف اٹھیں تو دل دھک سے رہ گیا۔ شام کے چھ بجنے کو تھے اور اسے اس جہنم سے نجات حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ملی تھی۔

لب کاٹتے ہوئے اس نے بے چینی سے اپنے اردگرد دیکھا تو نگاہیں بے اختیار سامنے سجے کرسٹل پیس سے جا ٹکرائیں۔ یک لخت ایک خیال کوندے

کی مانند لپک کر اس کی مایوس آنکھوں میں چمک سی بھر گیا۔ یہ سوچ اسے پہلے کیوں نہیں آئی تھی؟ اسے یہاں سے تو ہر قیمت پہ فرار چاہیے تھا' پھر چاہے جسم ساتھ جاتا یا یہیں مٹی کے بے جان ڈھیر میں تبدیل ہو جاتا۔ اسے پرواہ نہ تھی۔

تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے ایک بڑا سا کرسٹل کا خالی گلدان اٹھا کر پوری قوت سے سامنے دیوار پہ دے مارا تھا۔ اگلے ہی پل گلدان زور دار چھناکے کے ساتھ کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔

سرعت سے آگے بڑھ کے اس نے ایک بے حد نوکیلا ٹکڑا اٹھالیا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ اس ٹکڑے کی نوک اس کی کلائی کو چھوتی کمرے کا دروازہ اچانک کھلا تھا اور اپنے دھیان میں ملازمہ کے ہمراہ اس کی آرائش کا سامان لاتی' فیروزہ بائی کی آنکھیں ایک لحظے کو نا سمجھی کے عالم میں انابیہ کے وجود پہ جم سی گئی تھیں۔ ادھر انابیہ نے بھی اس اچانک افتاد پہ گھبرا کے آنے والے کی جانب دیکھا تو دھک سے رہ گئی اور اس کی لحظے بھر کی یہی چوک فیروزہ کو موقع دے گئی۔

چیل کی طرح اڑتے ہوئے اس نے جھپٹ کر انابیہ کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے ایک جھٹکے سے وہ نوکدار کانچ اس کے ہاتھ سے لیا تھا اور دوسرے ہی لمحے پوری طاقت سے تھپڑ اس کے منہ پہ کھینچ مارا تھا۔

"کمینی' الو کی پٹھی! مجھ سے مقابلہ کرے گی!" یکے بعد دیگرے فیروزہ نے دو اور تھپڑ اسے مارے تو نڈھال سی انابیہ دور جا گری۔

"میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اپنی مشکلات میں اضافے کی غلطی مت کرنا! اب دیکھ میں تیرا کیا حال کرتی ہوں۔" خون آشام نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے وہ بت بنی ملازمہ کی جانب پلٹی۔ تو بری طرح ہانپتی ہوئی انابیہ کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

"زینت! تو اب اس کمرے میں ہی رک اور نو بجے تک اسے تیار کر دینا اور اگر جو اس نے زیادہ چوں چراں کی تو اسے اتنی مار لگانا کہ یہ ہلنے کے قابل نہ رہے۔"

سخت لہجے میں ہدایت دیتی وہ اک کڑی نظر انابیہ پہ ڈالتی ہوئی تیز قدموں سے باہر نکل کے دروازہ لاک کر گئی تو قالین پہ گری ہوئی انابیہ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔

☆ ☆ ☆

حسنی کی گاڑی اس بڑے سے بنگلے کے پورچ میں آکر رکی تو فیروزہ ہمیشہ کی طرح استقبال کو باہر آکھڑی ہوئی۔

"خوش آمدید۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کا دیدار تو نصیب ہوا۔ ہم سے کوئی غلطی ہو گئی تھی سرکار' جو کچھ دنوں سے تشریف نہیں لائے؟" اس کے گاڑی سے اترتے ہی فیروزہ تپاک سے آگے بڑھی تو حسنی کی ساحر آنکھوں میں بے نیازی اتر آئی۔

"بس ذرا مصروفیت تھی۔ تم سناؤ' آج ایسی کون سی خاص بات ہے' جو ہمیں یہاں فون کر کے مدعو کیا؟" وہ ایک اچٹتی نظر پورچ میں کھڑی گاڑیوں پہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"وجہ بھی پتا چل جائے گی سرکار! آپ اندر تشریف تو لائیں۔" وہ معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے بولی تو حسنی اس کے ساتھ چل دیا۔ جہاں بڑے سے ہال میں شہر کی بہت سی جانی مانی ہستیاں پہلے سے موجود تھیں۔

"دیکھ لیجیے سب مہمان موجود ہیں' لیکن آپ کے انتظار میں ابھی تک محفل نہیں شروع کروائی۔" فیروزہ اس کے لیے لگوائی گئی خاص نشست کے پاس رکتے ہوئے بولی تو وہ کوئی جواب دیے بنا شان بے نیازی سے وہاں براجمان ہو گیا۔ اس کی تمام تر بے نیازی کے باوجود فیروزہ کے چہرے پہ کھیلتی مسکراہٹ میں کمی واقع نہ ہوئی تھی۔

"اجازت ہے؟" اس نے جھکتے ہوئے پوچھا تو حسنی نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جس کے بعد محفل کا باقاعدہ آغاز وہاں کی ماہر رقاصہ ستارہ کے رقص سے ہوا۔

اس کی ہوش ربا اداؤں نے جلد ہی وہاں موجود سب ہی مردوں کو خود سے بھی بیگانہ کر دیا تھا لیکن حسنی کی نظریں اس پہ جمنے کے بجائے انتہائی غیر دلچسپی کے عالم میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ یوں جیسے اسے سامنے ہوتے تماشے سے کوئی غرض نہ ہو۔

ستارہ کے ساتھ اب دو تین اور لڑکیاں شامل رقص ہو چکی تھیں۔ شباب کے ساتھ شراب کا دور بھی جاری تھا۔ سازوں کی آواز' حاضرین محفل کا شور ہر چیز گزرتے لمحوں کے ساتھ بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ناچنے والیاں اس کے اردگرد منڈلانے کے بعد اس کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے دوسروں کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

اس کے تیور دیکھتے ہوئے فیروزہ کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ ہال کے انتہائی سرے پہ واقع زینے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ اس کے انداز ایک لمحے کو حسنی کو الجھا گئے تھے' لیکن وہ بنا کوئی سوال کیے خاموشی سے اٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا تھا۔

سیڑھیوں کے اختتام پہ وہ دائیں جانب موجود راہ داری میں مڑ گئی تھی اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتی سب سے آخری کمرے کے سامنے رکتے ہوئے حسنی کی طرف پلٹی تھی۔

"آپ پوچھ رہے تھے نا کہ آج ایسی کون سی خاص بات ہے جو میں نے آپ کو فون کر کے مدعو کیا؟" اس نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا تو حسنی چونک گیا۔ اس کا چونکنا فیروزہ کو اندر ہی اندر لطف دے گیا۔ وہ اس کی اسی بے نیازی میں تو شگاف ڈالنا چاہتی تھی۔

"ہاں!" وہ الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تو فیروزہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تو پھر دل تھام کے رکھیے گا سرکار! میں آپ کی خدمت میں وہ ہیرا پیش کرنے لگی ہوں جو میں نے صرف اور صرف آپ کے لیے سنبھال کر رکھا ہے اس یقین کے ساتھ کہ صرف آپ ہی اس کے صحیح قدر دان ثابت ہو سکتے ہیں۔"

وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے ذو معنی انداز میں بولی تو اتنی دیر میں پہلی بار حسنی کے لبوں پہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اتنا یقین ہے آپ کو اپنے ہیرے پہ کہ وہ حسنی مرتضیٰ کو اپنے قدر دانوں میں شامل کر لے گا؟" اس نے استہزائیہ انداز میں بھویں اچکائیں تو فیروزہ قدرے گڑبڑا گئی۔ عجیب مغرور انسان تھا' بات کو کہاں سے کہاں لے گیا تھا۔

"یقین نہ سہی امید تو ہے۔ آئیے تشریف لائیے۔" وہ لاک کھول کر اندر داخل ہوئی تو انابیہ جو پہلے ہی دروازے کے پار سے فیروزہ کے ساتھ کسی مرد کے باتیں کرنے کی آواز سن کے مارے وحشت کے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔ تڑپ کے اپنا چہرہ گھٹنوں کے گرد لپٹے بازوؤں میں چھپا گئی۔ زینت بہت زور زبردستی کے باوجود صرف اس کے کپڑے بدلوانے میں ہی کامیاب ہو سکی تھی۔

اس کے اندر داخل ہونے پہ زینت نے مسکرا کر سلام کیا تو حسنی کی کھوجتی نگاہیں اطراف کا جائزہ لیتی سامنے دیوار کے ساتھ لگے وجود پہ آکر ٹھہر گئیں۔ اس کا انداز یک لخت اسے چونکا گیا۔ یہ یقیناً" فیروزہ کے ہاتھ لگا کوئی نیا شکار تھا۔

"اس کی تیاری مکمل نہیں ہوئی؟" اس کے لمبے بالوں کو یونہی الجھا ہوا دیکھ کے فیروزہ نے ایک کڑی نظر زینت پہ ڈالی تو وہ گھبرا گئی۔

"نہیں۔ خانم! بہت مشکل سے بس کپڑے ہی تبدیل کیے ہیں۔" اس کی بات پہ حسنی دھیرے سے مسکرا دیا۔

"کوئی بات نہیں۔ اگر یہ واقعی ہیرا ہے تو ان باتوں سے اس کی چمک میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ کیوں فیروزہ؟" حسنی نے ایک جتاتی ہوئی نظر فیروزہ پہ ڈالی تو وہ دل ہی دل میں کلستی ہوئی بظاہر اعتماد سے مسکرا دی۔

"بالکل صحیح کہا۔ اس کے حسن کو واقعی ان مصنوعی سہاروں کی ضرورت نہیں۔" وہ پلٹ کے دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی انابیہ کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

قدرے جھکتے ہوئے اس نے جونہی انابیہ کے بازو کو چھوا اس کی چیخوں نے کمرے کے در و دیوار ہلا ڈالے۔
"چھوڑو۔ چھوڑ دو مجھے۔ چھوڑ دو!" ایک جھٹکے سے چہرہ اٹھاتے ہوئے وہ دیوانہ وار روتے ہوئے ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ اس کی مزاحمت دیکھتے ہوئے زینت تیزی سے فیروزہ کی مدد کو لپکی تو اس کا دھان پان سا وجود ان دونوں عورتوں کے پیچھے چھپ گیا۔ لیکن اس کی آواز حسنی مرتضیٰ کا سارا ارتکاز ساری توجہ اپنی جانب مبذول کروا کے اسے ایک لمحے کو الجھا گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچ پاتا' وہ دونوں اسے قابو کرکے گھسیٹتی ہوئی حسنی کے سامنے لے آئیں۔ اور وہ جو ابھی اپنی پہلی ہی الجھن سے نکل نہیں پایا تھا' انابیہ احسان کو اپنے سامنے پاکے ساکت کھڑا رہ گیا۔ جو سختی سے آنکھیں میچے سسک رہی تھی۔
"کہیے حضور! کیسی لگی؟" اس کی نظروں کو ایک ٹک انابیہ کے چہرے پہ مرکوز پاکے فیروزہ نے فاتحانہ انداز میں حسنی کی جانب دیکھا تو وہ بامشکل تمام خود پہ قابو پاتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیا۔
"بہت خوب۔ مان گئے فیروزہ! جواب نہیں تمہارا!" اس نے دھیرے سے انابیہ کے گال پہ نقش انگلیوں کے نشان کو چھوا تو اس نے تڑپ کے آنکھیں کھول دیں اور اپنے سامنے موجود چہرے کو چند لمحے آنسوؤں سے بھری پتھرائی ہوئی نظروں سے تکنے کے بعد وہ گویا سانس لینا بھول گئی۔
"مہربانی' نوازش۔" فیروزہ کی باچھیں یہاں سے وہاں تک کھل گئیں۔
"یہ واقعی اس قابل ہے کہ اسے ہم چند گھنٹوں کے لیے سراہ سکیں۔" وہ اس کی بے یقین آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک ایک لفظ پہ زور دیتا ہوا عجیب سرد سے لہجے میں بولا۔
انابیہ کی ساکت آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ بہہ نکلے۔ جنہیں بے تاثر نظروں سے تکتا وہ فیروزہ کی جانب دیکھنے لگا۔
"کیا قیمت ہے اس کی؟" مسکراہٹ لبوں پہ سجائے اس نے انابیہ کو سر تک پا دیکھا تو اس کی آنکھوں اور مسکراہٹ سے چھلکتا تمسخر انابیہ احسان کو لب بھینچے آنکھیں بند کرنے پہ مجبور کر گیا۔ اس شخص کی ذات کا یہ تاریک پہلو بھی ہو سکتا تھا اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ بے یقینی اتنی شدید تھی کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ جس پہ فیروزہ حیرت سے اسے دیکھتی' قدرے سکون سے حسنی کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔
"پانچ لاکھ وہ بھی صرف آپ کے لیے۔"
"بس پانچ!" حسنی کی طنزیہ ہنسی انابیہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے آنکھیں میچے اپنی سسکی کا گلا گھونٹنے کو سختی سے لبوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔
"یہ تو انمول ہے۔ تم یہ آٹھ لاکھ رکھو' اتنی قیمت تو ہونی چاہیے بے چاری کی۔" وہ ایک نظر اس کی برستی آنکھوں پہ ڈالتے ہوئے بولا تو فیروزہ کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹ سی گئیں۔
"اور ہاں' اسے میرے ساتھ بھیجنے کی تیاری کرو۔ پے منٹ تمہیں میرا منیجر کر جائے گا۔" وہ اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے پلٹنے کو تھا جب انابیہ نے اپنی لہو رنگ آنکھیں کھول کے ایک سلگتی ہوئی نظر اس کے چہرے پہ ڈالی تھی۔ اپنے اندر بھڑک اٹھنے والے نفرت کے شعلوں کو چھپانے کی اس نے رتی برابر کوشش نہ کی تھی۔
اس کی آنکھوں سے برستی چنگاریوں کو حسنی مرتضیٰ نے چند لمحے خاموشی سے دیکھا تھا اور پھر لب بھینچے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم سر!" نیازی صاحب کے فون اٹھاتے ہی تیمور نے سکھ کا سانس لیا۔
"وعلیکم السلام' کیسے ہو تیمور؟"
"فائن سر! میں دراصل آپ سے شام سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن چونکہ آپ کا فون آف تھا' اس لیے میرا کام تھوڑا مشکل ہو گیا۔

ایکچویلی مجھے آپ سے ان اغوا ہونے والی دونوں لڑکیوں کی ڈیٹیلز چاہیے تھیں۔ لیکن چونکہ اس وقت یہ ممکن نہیں اس لیے کیا آپ مجھے ابھی صرف ان کے نام بتا سکتے ہیں؟" وہ قدرے عجلت میں بولا تو نیازی صاحب اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔
"ہاں ہاں' کیوں نہیں۔ ایک منٹ رکو۔" وہ اسے ہولڈ کروا گئے تو تیمور نے بے چینی سے کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھا۔
"ہاں تیمور! ان لڑکیوں کے نام ہیں انابیہ احسان اور نائمہ شفیق۔" اور دوسری جانب موجود تیمور نے زیر لب نام دہراتے ہوئے اک گہری سانس لی۔
"اوکے سر۔ سر! اب مجھے آپ سے ایک کام کی اجازت چاہیے۔"
"کس کام کی؟" نیازی صاحب نے چونکتے ہوئے پوچھا۔
"میں جانتا ہوں سر! کہ ہم نے ابھی تک آپ سے اپنا پلان آف ایکشن ڈسکس نہیں کیا۔ لیکن اگر آپ کو مجھ پہ بھروسا ہے تو میں چاہوں گا کہ آپ مجھے ہمارے پہلے ٹارگٹ پہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر ریڈ کی اجازت دے دیں۔" اس نے اپنا مدعا بیان کیا تو نیازی صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔
"اور ان لڑکیوں کا کیا بنے گا؟"
"سر مجھے یقین ہے کہ اگر ان لڑکیوں کے اغوا میں اسی گروہ کا ہاتھ ہے تو یہ ریڈ اس کیس میں بھی فیصلہ کن ثابت ہوگی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا تو نیازی صاحب کے چہرے پہ اطمینان در آیا۔
"ٹھیک ہے پھر گو آہیڈ۔"
"تھینک یو سر۔" تیمور نے مسکراتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا اور پھر فوری طور پہ باری کو فون کر کے اس نے ساری بات بتا کے پلان "اے" پہ عمل در آمد کرنے کے لیے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آٹھ لاکھ! فیروزہ کے تو مارے خوشی کے پیر زمین پہ نہیں ٹک رہے تھے۔
اس نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ زینت کے سر پہ کھڑے ہو کے انابیہ کی تیاری مکمل کروائی تھی اور اس کی دہائیوں کے باوجود بالآخر اسے آدھے گھنٹے کے اندر اندر حسنی کی گاڑی میں بٹھا کے دم لیا تھا۔
اس کے گاڑی میں سوار ہوتے ہی ڈرائیور نے بٹن دبایا اور تمام دروازوں کو آٹومیٹکلی لاک کر دیا تھا اور اگلے ہی لمحے گاڑی تیزی سے کھلے گیٹ سے باہر نکل گئی تھی۔
"دروازہ کھولو! میں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" بری طرح روتے ہوئے انابیہ دروازہ کھولنے کی کوشش میں دیوانی ہوئی جا رہی تھی جبکہ اگلی سیٹ پہ براجمان حسنی نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔
"تم۔ تم سنتے کیوں نہیں ہو ذلیل' منافق انسان!" چلاتے ہوئے اس نے یک لخت حسنی کا بازو نوچ ڈالا تو حسنی ضبط جواب دے گیا۔
لب بھینچے اس نے پلٹ کے انابیہ کی کلائی کو ایک جھٹکے سے اپنی گرفت میں لیا تو جہاں انابیہ کی سانس ایک پل کو رک گئی وہیں کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر اس کی کلائی میں چبھ گئیں۔
"کیونکہ میں تمہاری آواز تک نہیں سننا چاہتا انابیہ احسان!" شعلے برساتی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑے وہ پوری قوت سے دھاڑا تو ایک لمحے کو گاڑی میں موت کا سناٹا چھا گیا۔
انابیہ کی منجمد آنکھوں سے خوف قطروں کی صورت چہرے پہ بہنے لگا تو مارے ضبط کے حسنی کی کنپٹی کی رگ ابھر آئی۔ ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تو انابیہ پیچھے سیٹ سے جا ٹکرائی۔ بے اختیار اس کی نظریں اپنی کلائی کی جانب اٹھی تھیں جہاں خون کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔
"جبار! اس سیکٹر سے نکل کے مین روڈ پہ گاڑی روک دینا۔" بامشکل تمام خود پہ قابو پاتے ہوئے اس

نے ڈرائیور کو ہدایت دی تو اس نے جلدی سے اثبات میں سرہلا دیا۔

چند لمحوں بعد اس نے گاڑی مین روڈ پہ لاتے ہوئے ایک سائیڈ پہ کھڑی کردی تو حسنی ڈیش بورڈ پہ پڑا موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

اسے فون کان سے لگاتا دیکھ کے انابیہ کا دل اچھل کے حلق میں آگیا۔ "کہیں یہ اس عورت کو تو فون نہیں کرنے لگا؟" آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اس کی پشت پہ جمائے انابیہ نے خوف زدہ ہو کے سوچا تھا۔

"ہیلو' ہاں باری! میں لڑکی کو لے کے وہاں سے نکل چکا ہوں۔ تم شاہد اور سفیان کے علاوہ باقی سب سے کہو کہ وہ بنگلے کی پچھلی سائیڈ سے اندر کود کے اسے اپنے گھیرے میں لے لیں۔ جبکہ تم میرے منیجر بن کے ان دونوں کے ساتھ مین گیٹ سے اندر جاؤ اور ہال میں داخل ہو کے سب کو اپنے کنٹرول میں لے لو۔ میں تب تک باقی فورس کے ساتھ وہاں پہنچتا ہوں۔" تیمور منہاج کو فون پہ بات کرتا سن کے پیچھے بیٹھی انابیہ احسان کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

"تو کیا یہ سب ڈراما تھا؟ کیا تیمور کا ان برے لوگوں سے کوئی تعلق نہ تھا؟ وہ۔ وہ لٹیرا نہیں بلکہ محافظ تھا؟" سنسناتے ہوئے دماغ میں سوال امڈے چلے آرہے تھے وہ اس حد تک بے یقین تھی کہ اس کی آنکھیں آنسو بہانا بھلا کے ایک ٹک تیمور پہ جمی تھیں جو بغور دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن خیال رکھنا کہ وہاں سے کوئی بھی آدمی نکلنے نہ پائے۔ اور اس دوسری لڑکی نائمہ کو بھی تلاش کرنا ہے۔" اس دوران سامنے سے ایک گاڑی آکے ان کے قریب رکی تو تیمور فون کان سے لگائے عجلت میں باہر نکل گیا۔

انابیہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی جو اب گاڑی سے باہر آنے والے پانچ چھ سادہ کپڑوں میں ملبوس آدمیوں کو ہدایت دینے کے ساتھ ساتھ فون پہ بھی بات کررہا تھا۔

"کیوں میں اتنی جلدی اس سے بدگمان ہوگئی؟ کیوں میں نے ایک پل کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ بھلا تیمور بھی کبھی اس درجہ مکروہ کام کرسکتا ہے؟"

اس پہ نگاہیں جمائے دکھ اور ملال دھیرے دھیرے انابیہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا تو یک لخت سامنے کا منظر دھندلا گیا۔ اپنی سوچ اور اپنے الفاظ پہ اسے رہ رہ کے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ کیا آشنائی کا یہی تقاضا تھا؟

آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر باہر دیکھا تھا' جہاں اب وہ ان سب کے ساتھ دوسری گاڑی میں سوار ہو رہا تھا اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ تب ہی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے ڈرائیور کا سیل بجنے لگا تھا۔

"جی سر!" فون کان سے لگاتے ہوئے وہ مستعدی سے بولا تو انابیہ پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"بہتر۔" دوسری جانب کی بات سننے کے بعد اس نے فقط ایک لفظ جواب میں کہہ کر فون بند کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تو انابیہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"ہم کہاں جارہے ہیں بھائی؟"

"بڑے صاحب کے گھر بی بی! تیمور صاحب نے اس وقت آپ کو آفس لے جانے سے منع کیا ہے۔" اور انابیہ احسان پہ گھڑوں پانی آگرا تھا۔

"میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں؟" تاسف سے بے آواز آنسو بہاتے ہوئے اس نے دھیرے سے اپنی کلائی کو چھوا تھا جہاں خون جم گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نیازی صاحب کو تیمور مطلع کرچکا تھا۔ اس لیے جس وقت ڈرائیور انابیہ کو لے کے ان کے گھر پہنچا وہ بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔

مشفق لب و لہجے والے اجمل نیازی سے مل کے انابیہ کے دل کو بے حد ڈھارس ملی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ لیے گیسٹ روم میں چلے آئے تھے۔ اسے فریش ہوجانے کا کہہ کر وہ خود کمرے سے باہر چلے گئے تھے ان کے جانے کے بعد انابیہ نے جیولری اتار کر ایک طرف پٹخی تھی اور جا کے اچھی طرح سے منہ دھویا تھا۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹے تو ان کے ساتھ ان کی بیگم اور پیچھے ٹرالی گھسیٹ کے لاتا ملازم بھی تھا۔

"السلام علیکم آنٹی!" نیازی صاحب کے تعارف کروانے پہ انابیہ نے دھیرے سے بوجھل پلکیں اٹھاتے ہوئے بیگم نیازی کو سلام کیا تو وہ جو اس کے مقابل کھڑی حیران پریشان نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں' پریشانی سے بولیں۔

"آپ۔ آپ احسان فاروق کی بیٹی ہو؟"

"ج۔ جی آنٹی!" ہکلاتے ہوئے اس نے اب کے غور سے سامنے کھڑی خاتون کا چہرہ دیکھا تو دل یک لخت ڈوب گیا۔ یہ۔ یہ تو غالباً" عمر کی اسلام آباد والی خالہ تھیں۔ وہ چونکہ ان سے فقط اپنی منگنی کے روز ملی تھی۔ اس لیے فوراً" انہیں پہچان نہیں پائی تھی۔ اس پہ مستزاد اس کی ابتر ذہنی حالت۔

"آپ۔ آپ۔"

"میں عمر کی خالہ ہوں۔" اسے تذبذب کا شکار دیکھ کر وہ سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں تو انابیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ ابھی وہ ایک مشکل سے نکلی نہیں تھی کہ دوسری مشکل اسے نگلنے کو تیار کھڑی تھی جبکہ نیازی صاحب اس عجیب و غریب اتفاق پہ ساکت کھڑے رہ گئے۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے تو رفعت بیگم کو ساری بات بتا کے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے' تاکہ اس بے چاری لڑکی کو اپنائیت کا احساس دلا کر اس کی ہمت بندھائی جاسکے۔ لیکن یکایک اس "بے چاری" سے ان کی اتنی قریبی رشتے داری نکل آئے گی' انہوں نے سوچا نہ تھا۔

ماحول پہ چھائی عجیب سی خاموشی اور بیوی کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بالآخر اجمل صاحب نے ہی گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"آؤ۔ آؤ بیٹا! پہلے کچھ کھالو۔" انہوں نے ٹرالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو رفعت بیگم کی سرد نگاہوں سے خائف ہوتی انابیہ بامشکل تمام تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"ن ن۔ نہیں انکل! مجھے بھوک نہیں۔" اور اس سے پہلے کہ اجمل صاحب اصرار کرتے' رفعت کی آواز نے ان دونوں کو ایک لمحے کے لیے ساکت کردیا۔

"کتنے دن ہوئے ہیں تمہیں اغوا ہوئے؟"

"رفعت! یہ تم۔۔۔" اجمل صاحب ایک نظر انابیہ کے فق ہوتے چہرے پر ڈالتے ہوئے بولے تو رفعت بیگم ان کی طرف پلٹتے ہوئے تیز لہجے میں بولیں۔

"پلیز! اجمل! یہ میرے بھانجے کی زندگی اور ہمارے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔"

ان کے اکھڑے تیور انابیہ کے دل کو چھلنی کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو بھر لائے تھے۔ "یااللہ! اتنی کڑی آزمائش۔ میں اپنی پاکیزگی کا یقین کیسے اور کس کس کو دلاؤں گی؟" نچلا لب دانتوں تلے دبائے' آنے والی ذلت کا اسے اب احساس ہوا تھا۔ ورنہ اب سے کچھ دیر پہلے تک تو اسے صرف اپنی عزت بچانے کا غم کھائے جارہا تھا۔ لیکن رفعت نیازی کے فقط دو جملوں نے ہی اسے یہ باور کروادیا تھا کہ وہ اپنی عزت بچا کے بھی بچا نہیں پائی تھی۔ اور وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کی آزمائش ختم ہوگئی۔ خود کو اذیت کے ایک نئے اور بدنامی کے شاید کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے کے روبرو پا کے بھونچکی کھڑی رہ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن یہ کوئی وقت نہیں ان باتوں کا۔ بچی بے چاری پہلے ہی نجانے کن حالات سے گزر کر آئی ہے۔ اوپر سے تمہارے فضول سوال جواب۔ تم اگر اسے دلاسا نہیں دے سکتیں تو پلیز مزید پریشان بھی مت کرو۔" اسے روتا دیکھ کے اجمل صاحب غصے سے بولے تو رفعت ایک کڑی نظر روتی ہوئی انابیہ پہ ڈالتی پلٹ کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"حوصلے سے کام لو بیٹا۔ مجھے اگر پتا ہوتا کہ تم عمر کی منگیتر ہو تو میں رفعت کو یہ بات بتانے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔"

شرمندہ سے اجمل صاحب نے آگے بڑھ کے روتی ہوئی انابیہ کے سر پہ ہاتھ رکھا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ

چھپائے زمین پہ دوزانو گرتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

رات ساڑھے تین بجے تیمور نے کال کر کے نیازی صاحب کو آپریشن کامیاب ہونے کی نوید دی تو وہ اسی وقت آفس کے لیے نکل گئے۔

عورتوں کی اسمگلنگ اور ڈرگز کے کاروبار میں ملوث اس گینگ کی انویسٹی گیشن اور اس سلسلے میں ہونے والی یہ ریڈ مخفی تھی، سو تمام ملزمان کو نامعلوم مقام پہ منتقل کر کے تیمور اپنے بندوں کے ساتھ جس وقت آفس پہنچا صبح کے ساڑھے چار بج چکے تھے۔ چونکہ فیروزہ نامی عورت کے اس عشرت کدے سے گرفتار ہونے والوں میں چند ایک مایہ ناز ہستیاں بھی تھیں، سو نیازی صاحب نے تیمور کے مشورے کے بعد ان بڑی مچھلیوں کی گرفتاری کی اطلاع، کال کر کے افسران بالا کے گوش گزار کر دی تھی۔

انابیہ کی وہاں سے بازیابی کو البتہ چھپا لیا گیا تھا۔ کیونکہ اسی طرح مخفی کیس اور ریڈ کی خبر اسلام آباد پولیس کو بھی ہو جاتی، جن کے پاس انابیہ اور نائمہ کے اغوا کی رپورٹ درج تھی۔

چونکہ اچانک غائب ہونے والی ان لڑکیوں کا کیس نیازی صاحب کے پاس آئی جی صاحب کی ریفرنس سے آیا تھا۔ اس لیے انہوں نے آئی جی صاحب کو لاہور فون کر کے دو میں سے ایک لڑکی کے بازیاب ہونے کی اطلاع دیتے ہوئے اس معاملے میں رازداری برقرار رکھنے کے لیے کہا تھا۔ باقی پوری تفصیلات بتانے سے انہوں نے صاف معذرت کرتے ہوئے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ اسلام آباد پولیس کو ان سے رابطہ کرنے کے لیے کہیں۔ اس بات کو مخفی رکھنا ان کی ڈیوٹی بھی تھا اور اب تو ان کے خاندان والوں کی عزت کا سوال بھی بن چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انابیہ کو تھانے جانا پڑے اور یہ تب ہی ممکن ہو سکتا تھا جب ان جیسی اثر ورسوخ والی شخصیت اس سارے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیتی۔

☆ ☆ ☆

ساری کارروائی نپٹا کر تیمور کو گھر پہنچتے تک صبح کے سات بج گئے تھے۔ وہ کل صبح کا نکلا آج صبح لوٹا تھا۔ تھکاوٹ اس کے روم روم سے عیاں ہو رہی تھی۔ جسم سے زیادہ ذہن نڈھال اور پراگندہ ہو رہا تھا۔ مگر جس وقت وہ شاور لے کے بیڈ پہ لیٹا تو آنکھوں میں نیند کے بجائے کل کا دن ایک بار پھر اپنی پوری جزئیات سمیت آن ٹھہرا تھا۔

کل صبح تک اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ چار سال بعد یوں اچانک انابیہ احسان اس کے روبرو آ کھڑی ہو گی۔ یا یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ اتنی غلط جگہ پر اور ایسے برے حال میں اس سے ملاقات کے بارے میں تو تیمور نے کبھی گمان بھی نہ کیا تھا۔ اسے تو اب یہ سوچ کر بھی وحشت ہو رہی تھی کہ اگر اس وقت وہ وہاں نہ ہوتا تو فیروزہ کسی اور شخص سے انابیہ کا سودا طے کر دیتی اور انابیہ کی زندگی ہمیشہ کے لیے برباد ہو جاتی۔

بے شک یہ مشیت ایزدی ہی تھی جو حالات از خود ایسا موڑ لیتے گئے کہ وہ بروقت وہاں پہنچ کر انابیہ کی عزت بچانے کا وسیلہ بن گیا۔ شاید یہ اس کے اتنے ماہ کی بے غرض محنت اور نیک نیتی کا انعام تھا جو وہ ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے، حسنی مرتضیٰ بن کر کر رہا تھا۔

اس دوران نہ اس نے دن دیکھا تھا اور نہ رات، نہ اپنے مال کی پروا کی تھی اور نہ راز افشا ہو جانے کی صورت میں اپنے انجام کی فکر۔

اس پہ اگر کوئی دھن سوار تھی تو صرف ان ناسوروں کو معاشرے سے اکھاڑ پھینکنے کی، جو ایک طرف تو منشیات جیسا زہر نوجوانوں کی رگوں میں اتار کر گھروں کے گھر اجاڑ رہے تھے اور دوسری طرف لوگوں کی عزتوں سے کھیل کر زندگی بھر کی رسوائی ان کا مقدر بنا رہے تھے۔

ان لوگوں کے خلاف اس نے دو ماہ میں تنکا تنکا کر کے اہم ثبوت اکٹھے کیے تھے۔ اپنے طور پہ اب وہ

اپنے پہلے ٹارگٹ 'فیروزہ نامی طوائف' جو شہر کے ایک پوش علاقے میں بڑے سے بنگلے میں رہائش پذیر تھی اور جو اس گروہ کے اہم رکن ملک جہانگیر کے لیے کام کرتی تھی' اس پہ ہاتھ ڈالنے کے لیے تیار تھا۔ جب نیازی صاحب نے اسے لاہور کی دو لڑکیوں کے بارے میں سراغ لگانے کے لیے کہا تھا' ان کے بارے میں یہی خدشہ تھا کہ شاید انہیں بھی اسی گروہ نے اغوا کیا ہے۔ اس نئے مسئلے کی وجہ سے اسے اپنی کارروائی روکنی پڑ گئی تھی۔

نیازی صاحب سے دو دن کا وقت لیتے ہوئے وہ سوچ میں پڑ گیا تھا کہ کس طرح اس خدشے کی تصدیق کی جائے کہ آیا ان لڑکیوں کو ان ہی لوگوں نے اغوا کیا تھا یا نہیں' لیکن بہت سوچ بچار کے بعد بھی اس کے ذہن میں کوئی جامع منصوبہ نہیں آسکا تھا۔ اپنی اس مشکل کو باری کے ساتھ ڈسکس کرنے کا سوچتے ہوئے وہ اسے بلوانے ہی والا تھا جب فیروزہ کی غیر متوقع فون کال نے اسے چونکا دیا تھا۔ اسے ایک خاص محفل میں مہمان خصوصی کی دعوت دیتے ہوئے' اس نے آنے کی خاص تاکید کے بعد فون بند کر دیا تھا۔

فیروزہ کے انداز سے تیمور کو یہ سمجھنے میں زیادہ مشکل نہیں ہوئی تھی کہ یہ خاص محفل کسی خاص مقصد کے لیے ہی سجائی جا رہی تھی اور چونکہ وہ خاص مقصد ہاتھ آنے والی دو نئی لڑکیاں بھی ہو سکتا تھا' اس لیے اس نے نیازی صاحب سے ان لڑکیوں کے بارے میں مکمل معلومات اور ان کی تصاویر لینی چاہی تھیں۔ مگر انہیں آفس میں نہ پا کے وہ سخت بدمزہ ہوا تھا۔ لیکن چونکہ اس کے پاس انتظار کرنے کے لیے وقت نہ تھا' اس لیے وہ اس سارے معاملے کو اللہ کے بعد اپنی عقل کے سہارے کھوجنے کا فیصلہ کرتے ہوئے شام ڈھلنے کے بعد فیروزہ بائی کے بنگلے پہ جا پہنچا تھا۔

اس کے پہنچنے پہ وہاں وہی معمول کا تماشا شروع ہو گیا تھا۔ جس سے اسے کوئی غرض نہ تھی۔ اپنے ذہن کو چوکس رکھتے ہوئے اس کی نگاہیں مسلسل اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کوئی چھوٹی سی بھی غیر معمولی بات اس کی مدد کا سبب بن سکتی تھی۔ مگر جب کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی اسے کوئی سراغ نہ مل سکا تو بے چینی اس کا احاطہ کرنے لگی۔

دل ہی دل میں کسی مضبوط بہانے کا سہارا لے کر پورے گھر کا ایک جائزہ لینے کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ ابھی اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ کیا کرے جب فیروزہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی تھی۔ اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تو تیمور الجھا الجھا سا اٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کسی لڑکی کا سودا کرنا چاہ رہی تھی۔

فیروزہ کی بات سن کے تیمور پوری طرح الرٹ ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہونے پہ اس کی چوکس نظروں نے اردگرد کا جائزہ لیا تھا اور تب ہی اس کی نگاہوں کی زد میں سامنے دیوار سے لگا ایک وجود آیا تھا۔ جو سہمے ہوئے انداز میں گھٹنوں میں چہرہ چھپائے رو رہا تھا۔

اس کی پشت پہ بکھرے الجھے ہوئے لمبے بال' قالین پہ گرا ہوا دوپٹا' اس کا خوف زدہ انداز اور اس کا رونا ہر بات سے تیمور کو یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی کہ ہو نہ ہو یہ ان اغوا شدہ لڑکیوں میں سے ہی کوئی ایک تھی۔ وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا جب فیروزہ کے ہاتھ لگانے پہ وہ خوف زدہ ہو کے چلائی تھی۔ اس کی آواز پہ ایک پل کے لیے تیمور کو اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا تھا۔ اس لڑکی کی چیخ و پکار میں اسے انابیہ کی آواز سنائی دی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے اس عجیب و غریب خیال کو جھٹک پاتا' ان دونوں عورتوں نے اس لڑکی کو پکڑ کر اس کے روبرو لا کھڑا کیا تھا اور تیمور کے پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی تھی۔

آنکھیں بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی سر بازار آ کھڑی ہونے والی وہ لڑکی کوئی اور نہیں انابیہ احسان تھی' جسے کبھی تیمور منہاج نے ٹوٹ کر چاہا تھا اور جو اسے بڑی بے دردی سے چھوڑ گئی تھی۔ لیکن جسے وہ آج تک چاہ کر بھی نہ تو کبھی چھوڑ پایا تھا اور نہ ہی اپنی زندگی سے نکال سکا تھا۔

اس کے پھول سے نازک چہرے پہ ثبت انگلیوں کے نشان دیکھ کر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ ان ہاتھوں کو توڑ دے جنہوں نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا۔ لیکن اس کی ایک چھوٹی سی بھی جذباتی غلطی انابیہ کو ہمیشہ کے لیے پاتال میں دھکیل سکتی تھی۔ یہی سوچ کے اس نے بامشکل تمام خود پہ قابو پایا تھا لیکن اپنے ہاتھ سے اس کے دکھتے ہوئے چہرے کو سہلانے سے روک نہ سکا تھا۔

اس کی اس حرکت پہ انابیہ نے تڑپ کے آنکھیں کھولی تھیں اور چند بے یقین لمحوں کے بعد وہ بھی پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

نظروں کا تصادم تیمور کو ایک جھٹکے سے ٹرانس کی اس کیفیت سے نکال لایا تھا جو انابیہ کو اپنے سامنے پا کے اسے خود پہ طاری ہوتا محسوس ہوا تھا۔

آن واحد میں اس کے اندر کی گھٹن اور درد نے اس کے ہر احساس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور وہ اس پہ اپنی کھولن نکالنے سے باز نہ رہ سکا تھا۔

اس کا ہر ہر نشتر انابیہ کی رنگت مارے اذیت کے فق کیے دے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے برستے آنسوؤں میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ لیکن اس پل تیمور کو اس سے کوئی ہمدردی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اسے تڑپانا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ ایک عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ اس کی تیاری کا حکم دے کے وہ خود باہر چلا آیا تھا۔ جہاں نیازی صاحب سے فون پہ اغوا شدہ لڑکیوں کے ناموں کی تصدیق کے بعد اس نے اچانک ریڈ کی اجازت طلب کی تھی۔ باری کو ساری بات بتا کے وہ خود انابیہ کو آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہاں سے لے کر نکلا تھا۔

اس وقت انابیہ کا رونا' اس کا مچلنا تیمور پہ کوئی اثر نہیں کر رہا تھا۔ مگر اب وہ لمحے یاد کر کے اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ گاڑی میں اس پہ چلاتے ہوئے جس طرح اس نے طیش کے عالم میں اس کی کلائی جکڑی تھی' اسے کتنی ہی چوڑیاں اپنے ہاتھ کے دباؤ سے ٹوٹتی محسوس ہوئی تھیں لیکن تب اس نے قطعاً" پرواہ نہیں کی تھی' مگر اب ان ٹوٹی چوڑیوں کی چبھن اسے اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔

انابیہ کی آنسوؤں میں ڈوبی ہراساں آنکھیں تیمور کے اندر ہلچل مچانے لگیں تو وہ بے کل سا اٹھ بیٹھا۔

"میں نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں؟" جھنجلاتے ہوئے اس نے مکا بیڈ پہ مارتے ہوئے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔ کیا آشنائی کا یہی تقاضا تھا؟

☼ ☼ ☼

شیریں بیگم ہال میں بیٹھی معمول کے مطابق گرین ٹی پیتے ہوئے اخبار کی سرخیاں دیکھ رہی تھیں۔ ملازم ناشتہ تیار کرنے میں مصروف تھے' جو ہر روز تیمور اور منہاج صاحب کی جوگنگ سے واپسی پہ لگتا تھا۔ لیکن آج چونکہ صرف منہاج صاحب جوگنگ کے لیے گئے تھے اس لیے اس وقت شیریں بیگم کو صرف ان ہی کا انتظار تھا۔

ان کے استفسار پہ چوکیدار انہیں تیمور کی صبح سات بجے کے قریب واپسی کے متعلق بتا چکا تھا۔ وہ کل ساری رات کسی آپریشن میں مصروف رہا تھا اور پیچھے ان کی جان سولی پہ لٹکی رہی تھی۔

وہ اس کے لیے رات بھر اتنی پریشان رہی تھیں کہ اپنا دن بھر کا سارا غصہ اور خفگی بھی بھلا بیٹھی تھیں۔ ورنہ کل جس طرح ماہین بنا کچھ کہے سنے روتی ہوئی ان کے گھر سے گئی تھی اور بعد میں جو کچھ ان کے علم میں آیا تھا' اس نے ان کا خون کھولا کے رکھ دیا تھا۔ نجانے کیوں یہ لڑکا خود کو برباد کرنے پہ تلا ہوا تھا وہ بھی ایک ایسی لڑکی کے پیچھے جو کسی طور اس کے لائق نہ تھی۔ دل ہی دل میں اس معاملے کو ہر حال میں آر یا پار لگانے کا فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے اس بحث کو تیمور کے اٹھنے تک موقوف کر دیا تھا۔ لیکن منہاج صاحب سے اس بات کا ذکر وہ رات کو ہی کر چکی تھیں۔ اور اب ایک بار پھر انہیں اس سلسلے میں یاد دہانی کروانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔

چائے ختم کر کے وہ اخبار ایک طرف رکھتی اٹھ کر

کھڑی ہونے کو تھیں، جب سیڑھیوں سے تیار ہوئے تیمور کو اترتا دیکھ کے وہ چونک گئی تھیں۔
"یہ تم کہاں جارہے ہو؟" انہوں نے الجھ کر تیمور کا چہرہ دیکھا۔
"آفس۔" وہ کف بند کرتا ان کے قریب چلا آیا تو شیریں بیگم کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔
"کل کے گئے تم ابھی سات بجے واپس آئے ہو اور ابھی نو بھی نہیں بجے کہ تم پھر واپس جارہے ہو۔" وہ خفگی سے بولیں۔ ان کی بات پہ تیمور بے اختیار اک گہری سانس لے کے رہ گیا۔ وہ اب انہیں کیا بتاتا کہ اس کا مضطرب دل اور منتشر ذہن کیسے اسے بے کل کیے ہوئے تھے اور وہ اس بے کلی اور پریشانی سے فرار حاصل کرنے کو ہی اپنے کمرے کی تنہائی سے بھاگ آیا تھا۔
"بس ممی! کچھ ضروری کام ہے۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔
"بھاڑ میں گیا وہ ضروری کام، یہ کوئی جاب ہوئی۔ نہ دن کو چین ہے نہ رات کو آرام۔ تم اتنی فضول جاب چھوڑ کے اپنا بزنس کیوں نہیں سنبھالتے؟" وہ اسے غصے سے دیکھتے ہوئے بولیں تو تیمور اس بلاوجہ کی بحث سے اکتا گیا۔
"پلیز ممی! میں نے سی ایس ایس پاپا کے بزنس کو سنبھالنے کے لیے نہیں کیا۔"
"ہونہہ! تم نے تو کچھ بھی ہمارے لیے نہیں کیا نہ پہلے پڑھائی اور نہ اب شادی۔" وہ تلخی سے کہتی نگاہوں کا زاویہ بدل گئیں تو تیمور ٹھٹک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا، جہاں غصے کے ساتھ ساتھ خفگی بھی موجود تھی۔
"کیا بات ہے، آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟"
"شکر ہے، تمہیں ماں کا غصہ نظر تو آیا۔" انہوں نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو تیمور انہیں بے بس نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔
"کل تم نے کیا سوچ کے ماہین کو اتنی بڑی بات کہی؟ تمہیں پتا ہے، وہ سارا دن روتی رہی ہے۔" تیوری چڑھائے انہوں نے فہمائشی نظروں سے تیمور کی جانب دیکھا۔
"ساری زندگی رونے سے بہتر ہے کہ وہ ایک ہی بار رولے۔" وہ ماں کی خفگی کی پروا کیے بنا سپاٹ لہجے میں بولا تو شیریں بیگم کے غصے میں اضافہ ہوگیا۔
"تیمور!"
"پلیز ممی! بہت ہوگئی یہ آنکھ مچولی۔ میں مزید یہ تماشا برداشت نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو بارہا کہہ چکا ہوں کہ مجھے ماہین تو کیا کسی بھی لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔ پھر آپ اور ماموں کیوں اس لڑکی کی زندگی خراب کرنے پہ تلے ہوئے ہیں۔"
وہ حقیقتاً" اس ماہین نامی ٹنٹے سے تنگ آچکا تھا۔ اس پہ مستزاد اس کی ذہنی کیفیت۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ ہمیشہ کی طرح ماں کے سامنے خاموش ہو جاتا، لیکن اس وقت تو وہ جیسے پھٹ پڑا تھا۔
"ہم جو کر رہے ہیں، سوچ سمجھ کے کر رہے ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کس خوشی میں اپنی زندگی خراب کرنے پر تلے ہوئے ہو؟ اس لڑکی کے پیچھے جس نے نہ تمہاری محبت کی قدر کی اور نہ تم سے جڑے رشتوں کو اہم جانا چلو، ہمیں تو چھوڑو۔ اس ضدی اور مغرور لڑکی نے تو تمہارے کہے کو بھی کچھ نہ جانا۔ یاد ہے وہ وقت جب تم نے کتنی آس سے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ سب کچھ بھلا کے اسے منانا چاہا تھا۔ اور وہ کتنی بے حسی سے تمہاری ذات کو رد کر کے آگے بڑھ گئی تھی۔ اس نے تو آج تک پلٹ کے نہیں دیکھا پھر تم کیوں اب تک وہیں کھڑے ہو؟ کیوں اپنی زندگی کو آگے بڑھانا نہیں چاہتے؟"
غصے سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولتی چلی گئیں تو لب بھینچے کھڑا تیمور یک لخت چلا اٹھا۔
"کیونکہ میں نے اس سے محبت کی تھی اور محبت میں مقابلے بازی نہیں ہوتی۔ میں کچھ نہیں بھولا ہوں۔ نہ اپنا رد کیا جانا اور نہ ہی اپنے مان کا ٹوٹنا۔ مجھے اس کا دیا ہر زخم یاد ہے۔ لیکن میرا دل اب مر چکا ہے۔ میرے جذبات سرد ہو چکے ہیں اور میں اس مردہ دل کے ساتھ کسی دوسری لڑکی کو نہیں اپنا سکتا۔ میری زندگی میں پہلے ہی بہت پچھتاوے ہیں ممی! پلیز، ان میں مزید اضافے کا سامان مت کریں۔"
بولتے بولتے اس کی آواز درد کے احساس تلے دب کے مدھم ہوگئی تو اس کے اس درجہ شدید رد عمل پہ گنگ کھڑی شیریں بیگم اس کے سرخ ہوئے چہرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔
لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں، تیمور تیزی سے پلٹتے ہوئے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ مگر وہاں منہاج مرتضیٰ کے ساتھ اپنی بہن ثمرہ اور بھانجے محب کو دیکھ کے وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گیا تھا۔ لیکن اگلے ہی پل وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کے قریب سے نکلتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔
اور ثمرہ جو پہلے ہی بھائی کی بات سن کے بے حد مغموم ہوگئی تھی تیمور کو یوں بنا کچھ کہے سنے آگے بڑھتا دیکھ کے اسے اپنا دل عجیب سے بوجھ تلے دبتا محسوس ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

انابیہ نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی تھی۔ پے در پے لگنے والے جھٹکوں نے دل و دماغ کی عجیب حالت کر ڈالی تھی۔ آنکھیں خود بہ خود کبھی برسنے لگتیں اور کبھی ماضی اور حال کی بھول بھلیوں میں کھو کے کسی غیر مرئی نقطے پر جم جاتیں۔ سینے پہ وسوسوں اور پریشانیوں کے سانپ پھن پھیلائے اس کے وجود میں ہر لمحہ اپنا زہر اتار رہے تھے۔ اس درجہ اذیت بھرا کڑا وقت شاید ہی کبھی اس پہ آیا ہو، لیکن وہ اتنی بے بس تھی کہ چاہ کر بھی خود کو اس سزا سے نجات نہیں دلا سکتی تھی۔ اس کی ذات یکایک حالات اور زمانے کے رحم و کرم پہ آپڑی تھی جو اب اس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کر سکتا تھا اور اسے اف تک کرنے کی اجازت نہ تھی کہ وہ ایک اغوا شدہ لڑکی تھی۔ جس کی پاک دامنی کی گواہی دینے کے لیے کوئی معجزہ رونما نہیں ہونے والا تھا اور خود اس کی بات پہ کسی کو یقین نہیں آنا تھا۔ شاید اس کے اپنوں کو بھی نہیں۔
اپنوں کا خیال آتے ہی اس کی آنکھیں ایک بار پھر زار و قطار برسنے لگی تھیں۔ پتا نہیں اس عرصے میں ان پہ کیا گزری تھی۔ اس کے بابا نے تنہا نجانے کیا کچھ جھیلا تھا۔ کیسے کیسے سوالوں کا سامنا کیا تھا؟ وہ جتنا سوچ رہی تھی، اسے اتنا ہی خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی جو اپنے باپ کے لیے اس عمر میں رسوائی کا سامان بن گئی تھی۔ پہلے بھی صرف اس کی وجہ سے اس کی ماں ان لوگوں کو روتا چھوڑ گئی تھیں۔
ابھی تو وہ اپنی وجہ سے ہونے والے اس پہلے ناقابل تلافی نقصان کی بھرپائی نہیں کرپائی تھی کہ وہ یہ دوسرا ناقابل برداشت غم اپنے بابا کو دے بیٹھی تھی۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا ہوا تو؟ اور اس تو کے آگے انابیہ کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی برستی آنکھوں میں یک لخت ڈر پھیل گیا تھا۔
گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ دیوانہ وار اٹھ کر باہر کی جانب بھاگی تھی۔ اسے ابھی اور اسی وقت اپنے گھر جانا تھا۔ دوڑتے قدموں سے راہداری عبور کرتی وہ اس انیکسی نما چھوٹے سے پورشن کا داخلی دروازہ دھکیلتی برآمدے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ سامنے سے آتے شخص سے بری طرح ٹکرا گئی تھی۔ لیکن اس پہلے کہ وہ نیچے گرتی دو مشفق بازوؤں نے اسے نرمی سے تھام لیا تھا۔
"انابیہ میری بچی۔" نظریں اٹھانے پہ جو چہرہ اسے نظر آیا تھا، وہ اسے پیارے بابا کا تھا۔
"بابا، بابا جان!" چیخ مارتے ہوئے وہ ان سے لپٹ گئی تھی اور پھر اس کے آنسوؤں اور چیخوں نے جیسے در و دیوار کو ہلا ڈالا تھا۔ احسان فاروق کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔ وہ مسلسل اس کا سر چومے جارہے تھے۔
باپ بیٹی کے اس ملاپ پہ وہاں موجود محسن فاروق اور اجمل نیازی دونوں کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

تیمور کو کتنی دیر ہوگئی تھی بے مقصد سڑکوں پہ

گاڑی دوڑاتے ہوئے، مگر دل و دماغ اب بھی کسی ایک سمت میں سوچنے سے قاصر تھے۔ لامتناہی سوچوں کا ایک سلسلہ تھا جو ماضی اور حال کے گرد گھوم گھوم کے اس کے دماغ کو اتنا الجھا گیا تھا کہ اس کی خود سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا چاہ رہا ہے، کیوں اتنا بے کل ہو رہا ہے؟

ایسے میں جب اس کے پیر بالآخر تھک کر بریک پہ پڑے تو وہ جیسے خود میں لوٹ آیا۔ لیکن اگلے ہی پل اسے شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ نیازی صاحب کے گھر کے باہر کھڑا تھا۔

نچلا لب دانتوں تلے دبائے وہ کتنی ہی دیر ایک ٹک سامنے موجود سیاہ گیٹ کو دیکھتا رہا تھا اور پھر جیسے اک ٹرانس کی کیفیت میں وہ دروازہ کھول کے باہر نکل آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیسے آپ کا شکر ادا کروں۔ آپ نے مجھ پہ جو احسان کیا ہے میں اس کا بدل مر کے بھی نہیں دے سکتا۔" وہ تینوں اجمل نیازی کے ہمراہ ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتے کے لیے بیٹھے تھے، لیکن احسان صاحب اور انابیہ نے سوائے ایک ایک کپ چائے کے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

احسان فاروق تو مارے خوشی اور تشکر کے ہر چیز بھولے بیٹھے تھے۔ اجمل صاحب نے نہ صرف ان کی بیٹی کو بازیاب کروایا تھا۔ بلکہ اسے تھانے جانے کی اذیت سے بھی بچالیا تھا۔ لیکن انابیہ کا دھیان مسلسل رفعت بیگم کی طرف تھا، جنہوں نے اب تک اپنے کمرے سے باہر جھانکنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔ ان کے کل رات کے تیور اسے اندر ہی اندر ہولائے دے رہے تھے۔ وہ اب کیا کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں انابیہ سوچ سوچ کے پریشان ہو رہی تھی۔

"پلیز احسان صاحب! اب اگر آپ نے مزید ایک بار بھی میرا شکریہ ادا کیا ناں تو میں سخت ناراض ہو جاؤں گا۔ ویسے بھی آپ کے اس شکریہ کا اصل حق دار میں نہیں بلکہ ہمارا ایک بہت ہونہار اور قابل آفیسر ہے۔ جس نے صحیح معنوں میں اپنی جان پہ کھیل کے نہ صرف انابیہ کو بچایا ہے بلکہ اس گروہ کے بہت سے اہم بندوں کو گرفتار بھی کروایا ہے۔" نیازی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو انابیہ کی آنکھوں کے آگے تیمور کا چہرہ گھوم گیا۔ خود سے نگاہیں چراتے ہوئے اس نے بے اختیار ٹھنڈی ہوتی چائے کا کپ اٹھا کے لبوں سے لگالیا۔

"جزاک اللہ۔ اللہ تعالیٰ اسے صحت و تندرستی کے ساتھ ڈھیروں کامیابیوں سے نوازے۔ آپ مجھے اس سے ضرور ملوائیے گا۔" احسان صاحب اس ان دیکھے فرشتے کے حق میں دعائیں کرتے ہوئے بولے۔

"ضرور۔ آپ میرے ساتھ آفس چلیے گا، میں وہاں آپ کی اس سے ملاقات......"

"السلام علیکم سر۔" نیازی صاحب کی بات ابھی منہ میں تھی کہ ملازم کی معیت میں اندر آتے تیمور کے سلام نے سب کو دروازے کی جانب دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا اور احسان فاروق جو اپنے دھیان میں آنے والے کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئے تھے۔

"آؤ، آؤ تیمور! بڑی لمبی عمر ہے تمہاری۔ میں ابھی احسان صاحب کو تمہارے ہی بارے میں بتا رہا تھا۔" مسکراتے ہوئے انہوں نے اٹھ کر تیمور کا استقبال کیا جو خود بھی احسان صاحب کو اپنے روبرو پا کے ایک لمحے کو جھجک گیا تھا۔

"احسان صاحب! یہ ہے ہمارا ہونہار اور قابل آفیسر تیمور، جس نے انابیہ بیٹی کو بازیاب کروایا ہے۔" انہوں نے فخر سے تیمور کے شانے کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے احسان صاحب سے متعارف کروایا تو وہ ایک نظر بیٹی کے جھکے چہرے پہ ڈالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں اٹھتا دیکھ کے تیمور نے آہستگی سے سلام کیا تھا۔

"جیتے رہو، خوش رہو بیٹا اللہ تمہیں بہت سی کامیابیوں سے نوازے۔" آنکھوں میں اداسی لیے

انہوں نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کے اس کا شانہ تھپتھپایا تو تیمور کی نظریں بے اختیار جھک گئیں۔ محسن فاروق سے سلام دعا کے بعد وہ یہاں سے نکلنے کا کوئی بہانا ڈھونڈ رہا تھا جب نیازی صاحب اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

"آؤ ینگ مین! ہمارے ساتھ ناشتا کرو۔"

"نو سر! تھینک یو، میں ناشتا کر چکا ہوں۔" وہ ایک نظر انابیہ کی جھکی پلکوں پہ ڈالتے ہوئے بولا۔

"چلو پھر ایک ایک کپ کافی کا ہو جائے۔ ہم بھی ناشتے سے فارغ ہو چکے ہیں۔" وہ دوستانہ لہجے میں کہتے انابیہ کی جانب پلٹے۔ "انابیہ بیٹا!"

"جی انکل!" وہ چونکتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھی تو نظریں بے اختیار اجمل صاحب کے ساتھ کھڑے تیمور کی نظروں سے جا ٹکرائیں۔ جو ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد غیر محسوس انداز میں رخ موڑ گیا۔ اس کا یوں رخ موڑنا نا بھی انابیہ کے دل میں اک سوئی سی چبھو گیا۔

"بیٹا! آپ کو کافی بنانا آتی ہے؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو بس پھر بیٹا! ہم سب کے لیے شان دار سی کافی تیار کرو۔ کیونکہ آپ کی آنٹی سو رہی ہیں اور اس ناصر کے ہاتھ کی کافی پینے سے بہتر ہے کہ ہم گرم کڑوا پانی ہی لیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شگفتگی سے بولے تو انابیہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ اپنی چھب دکھلا کے غائب ہو گئی۔

ناصر کو بلوا کے انابیہ کو کچن میں لے جانے کا کہہ کے وہ سب ڈائننگ روم سے ملحقہ ڈرائنگ روم میں چلے آئے تھے۔

اپنے اندر شور مچاتی ڈھیروں سوچوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے انابیہ نے کافی تیار کی تھی اور پھر کپ ٹرے میں رکھے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم کی طرف چلی آئی تھی۔ جہاں اب موضوع گفتگو ملک کے موجودہ سنگین حالات تھے۔

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب

عمران ڈائجسٹ

Emale: id@khawateendigest.com

دسمبر 2012

اناطولیہ کا پاسبان

اسلم راہی

پوری کہانی

خونی عورت

ایم الیاس

بدبخت

نواز شاہین

مہلت

چنگاری

اسٹریٹ پین اسٹیشن

خوش حالی کی قیمت

قدرت

داسی

نقش نا تمام

نشیب و فراز

ایم اے راحت

دسمبر 2012 کا تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

سب بڑوں کو کافی سرو کرنے کے بعد وہ تیمور کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے انابیہ پہ اک نگاہ غلط ڈالے بنا کپ اٹھا لیا۔ اس کی بے نیازی پہ وہ ایک خاموش نظر اسی پہ ڈالتی پلٹ گئی تو تیمور کی بے چین نگاہیں بے اختیاری کے عالم میں اس کی پشت پہ جا ٹھہری تھیں۔ دل میں موجود کسک اسے اپنے سامنے پا کے بڑھنے لگی تھی۔

اپنے اضطراب کو چھپانے کے لیے اس نے گرم کافی کا بڑا سا گھونٹ لیا تھا اور اگلے ہی لمحے ٹھٹک کر اس کی نظریں اپنے کپ کی طرف اٹھی تھیں۔ پیالی میں بلیک کافی بغیر شکر کے موجود تھی۔ اس کی پسند کے عین مطابق۔ میکانکی انداز میں اس نے دوسرے کپوں کی طرف دیکھا تھا' جہاں دودھ والی کافی تھی اور تیمور کے لیے اپنے دھواں دھواں ہوتے دل کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

کس حق سے اس نے تیمور کی پسند ناپسند کو یاد رکھا تھا جب وہ خود تیمور کی ذات کو ہی فراموش کر بیٹھی تھی۔

سلگتی آنکھوں سے اس نے دروازے کی جانب دیکھا تھا جہاں سے انابیہ باہر نکلی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ جا کر اس بے حس لڑکی کو جھنجھوڑ کے رکھ دے۔ جس نے اسے تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔

ہاتھ میں پکڑا کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے وہ لب بھینچے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ تم کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہو؟" محسن فاروق کی بات سنتے اجمل صاحب نے حیرت سے تیمور کی جانب دیکھا تو وہ بمشکل تمام خود پہ قابو پاتے ہوئے بولا۔

"سر! وہ ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ اس لیے مجھے اجازت دیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے چلے جانا' لیکن کافی تو ختم کر کے جاؤ۔"

"نو سر! مجھے دیر ہو جائے گی۔" ان کے اصرار پہ اس نے شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے آگے بڑھ کے احسان صاحب سے ہاتھ ملانا چاہا تو انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے تیمور کو گلے سے لگا لیا۔ جو شفقت کے اس اظہار پہ حیران رہ گیا تھا۔

"بہت شکریہ تیمور! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھلا پاؤں گا۔" وہ اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے بھیگی ہوئی دھیمی آواز میں بولے تو تیمور کو اپنے حلق میں پھندا سا پڑتا محسوس ہوا۔

"یہ تو میرا فرض تھا سر۔" اپنے جذبات پہ قابو پاتے ہوئے وہ ان سے الگ ہوا تو احسان صاحب کا ہاتھ اس کے شانے پہ آ ٹھہرا۔

"سلامت رہو' اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

ان کی دعا پہ بے اختیار ایک پھیکی سی مسکراہٹ تیمور کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔ احسان صاحب سے دعائیں لینے کے بعد وہ محسن فاروق اور نیازی صاحب سے مل کر دروازے کی طرف بڑھا تھا' لیکن سامنے رفعت بیگم کے ساتھ ایک عورت اور ایک لڑکے کو ایستادہ پا کے وہ بے اختیار رک گیا تھا۔

"ارے آپ لوگ؟ آپ لوگ کب آئے؟" اس سے پہلے کہ تیمور' رفعت بیگم کو سلام کرتا' نیازی صاحب کی حیران پریشان سی آواز نے اسے ان کی طرف دیکھنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

نیازی صاحب کے چہرے سے پریشانی واضح طور پہ جھلک رہی تھی' بلکہ صرف ان ہی کے نہیں محسن فاروق کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ جبکہ احسان صاحب کی تو کاٹو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت دیکھ کے وہ خود بھی بری طرح الجھ گیا تھا۔

"ابھی آئے ہیں۔ حالانکہ میں نے تو رات کو ہی فون کر دیا تھا۔" سینے پہ بازو لپیٹے رفعت بیگم کاٹ دار مسکراہٹ لبوں پہ سجائے بظاہر نارمل لہجے میں بولیں تو اجمل نیازی کے لب مارے غصے کے بھنچ گئے۔

ان کے تیوروں پہ ایک استہزائیہ نظر ڈالتے ہوئے وہ تیمور کی جانب پلٹی تھیں۔

"کیسے ہو تیمور؟" اور پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بنا وہ پیچھے کھڑی خاتون سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں۔ "آپا! یہ ہے ناں وہ آفیسر جس نے آپریشن کر کے انابیہ کو بازیاب کروایا ہے۔" ان کی بات پہ اس خاتون نے ایک نظر تیمور پہ ڈالتے ہوئے سامنے کھڑے احسان فاروق کی جانب دیکھا تھا۔ جبکہ اس لڑکے کی پیشانی پہ یک لخت بل سے نمودار ہو گئے تھے۔

"اور تیمور! یہ ہے میرا بھانجا عمر اور یہ ہیں میری بڑی بہن۔ عمر اور انابیہ کی منگنی ہو چکی ہے' اسی لیے میں نے انہیں یہاں بلایا ہے تاکہ اپنی بہو سے مل لیں۔" رس ٹپکاتے لہجے میں انہوں نے آنے والوں کا تعارف بظاہر تیمور سے کرواتے ہوئے در پردہ سامنے کھڑے تینوں حضرات کو سنایا تھا۔

اس حقیقت سے بے خبر کہ ان کے اس تعارف نے تیمور منہاج کے دھڑکتے دل کو ایک پل کے لیے ساکت کر ڈالا تھا۔

شل ہوتے دماغ کے ساتھ اس نے خالی آنکھوں سے سامنے کھڑے لڑکے کی جانب دیکھا تھا جس کا دھیان پوری طرح احسان صاحب کی طرف تھا۔ لیکن جس پر سے تیمور کا دھیان اب شاید ساری زندگی ہٹنے والا نہ تھا۔ کیونکہ یہ وہ چہرہ تھا جسے اس کی محبت نے اس پہ فوقیت دی تھی۔ جو انابیہ احسان کا آج اور آنے والا کل تھا اور وہ اس کا بیتا ہوا کل۔ جس کی کوئی وقعت' کوئی حیثیت نہ تھی۔ جو محض ماضی کا ایک حصہ تھا۔ ایسا حصہ جسے انابیہ احسان نے فراموش کرنے میں زیادہ وقت نہیں لیا تھا۔ اور وہ......

بے اختیار اسے چند گھنٹے پیشتر اپنی ماں سے ہونے والی تلخ کلامی یاد آئی تھی اور اس کے لب سختی سے بھنچ گئے تھے۔

"پلیز ایکسکیوز می۔" مزید کچھ کہے سنے بنا وہ سرد لہجے میں کہتے ہوئے سرعت سے ان کے قریب سے نکلتا باہر چلا آیا تھا۔

اس کے اندر برپا طوفان نے اتنا شور مچا رکھا تھا کہ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

تیز قدموں سے راہداری عبور کرتے ہوئے وہ اس جگہ سے دور بہت دور نکل جانا چاہتا تھا' جب برآمدے میں ہلو سے لگے وجود نے اس کے بڑھتے قدموں میں زنجیر ڈال دی تھی۔

عین اسی لمحے چپ چاپ آنسو بہاتی۔ انابیہ نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھائی تھیں اور خود سے چند فٹ کے فاصلے پہ کھڑے تیمور کی سنہری آنکھوں سے نگاہیں ہٹانا بھول گئی تھی۔ جو اس پل لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

اس کے یہ تیور انابیہ نے آج سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ اس کا چہرہ غصے کی شدت کے باعث سرخ ہو رہا تھا۔ لب سختی سے اس طرح ایک دوسرے میں پیوست تھے کہ جبڑے کی ہڈیاں ابھر آئی تھیں۔ جبکہ ہاتھ مٹھیوں کی صورت بھنچے ہوئے تھے۔

اس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی۔ جس کی تپش سے انابیہ کو اپنا آپ جلتا محسوس ہوا تھا۔

"تو وہ جان گیا تھا کہ عمر سے اس کا کیا تعلق ہے۔" متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہ احساس بڑی شدت سے اس کے اندر جاگا تھا اور انابیہ کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔ حالانکہ وہ کسی طور نہ تو اس کے آگے جواب دہ تھی اور نہ ہی اس کی پابند۔ مگر پھر بھی اس کے لیے مزید ان آنکھوں میں دیکھنا ممکن نہ رہا تھا۔

اسے یوں نظریں چراتا دیکھ کے تیمور کا دل چاہا تھا کہ وہ انابیہ احسان کو بے نقط سنائے' اتنی کہ وہ اس کی نفرت کے احساس سے نیلی ہو جائے۔ مگر اب وہ اس پہ اپنا کوئی احساس ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کوئی بھی نہیں!

پاس پڑے گملے کو زوردار ٹھوکر لگاتے ہوئے وہ اک قہر برساتی نگاہ اس کے جھٹکے سے اوپر اٹھنے والے زرد چہرے پہ ڈالتا ہوا تیز قدموں سے اس کے قریب سے نکلتا چلا گیا تھا اور پیچھے کھڑی انابیہ' جو پہلے ہی اس سے اپنی گزشتہ روز کی بدگمانی پہ معافی مانگنے کے لیے بے چین تھی' پھپھک کے رو پڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

وقت کی عدالت میں

زندگی کی صورت میں
جو میرے ہاتھوں میں
اک سوالنامہ ہے
کس نے یہ بنایا ہے؟
کس لیے بنایا ہے؟
کچھ سمجھ میں آیا ہے؟
زندگی کے پرچے کے
سب سوال لازم ہیں
سب سوال مشکل ہیں

اغوا شدہ اور گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن ہمارا معاشرہ دونوں سے ایک سا سلوک کرنے کا عادی ہے۔ حالانکہ ایک مظلوم ہوتی ہے اور دوسری ظالم۔ ایک ہمدردی، پیار اور نرمی کی مستحق ہوتی ہے اور دوسری سزا اور نفرت کی لیکن ہمارے ہاں دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا جبکہ جتنی توجہ اور سہارے کی ضرورت ایک اغوا شدہ بے گناہ لڑکی کو ہوتی ہے اتنی تو شاید کسی کو بھی نہیں ہوتی۔

اس پہ آنے والی سختی کو ہمارے بدصورت رویے مزید سخت بنا دیتے ہیں۔ اتنا کہ بعض اوقات تو زندہ رہنا مشکل لگنے لگتا ہے اور مرنا آسان۔

اور یہی انابیہ کے ساتھ ہوا تھا۔ جس کی زبان حالات نے تالو سے لگا چھوڑی تھی۔

عمر اور اس کی والدہ نے نہ تو احسان فاروق کی کسی منت سماجت پر کان دھرے تھے اور نہ ہی انابیہ کے آنسوؤں پر یقین۔ انہوں نے صرف فیصلہ سنایا تھا اور بس!

احسان صاحب کی نیکی، سچائی اور شرافت اور انابیہ کی اچھائی، جس کے وہ لوگ کل تک خود گن گاتے پھرتے تھے یکایک بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔

ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا جو راتوں رات ان کی زندگی بھر کی کمائی ہوئی عزت پہ لگا دیا گیا تھا اور جسے مٹانے کے لیے اگر انابیہ اپنا خون بھی بہا دیتی تو کوئی یقین کرنے والا نہ تھا کہ اس کا خون بھی اس کی ذلت کی طرح بے مول ہو چکا تھا۔

واپسی کا سارا راستہ جامد سناٹے کے ساتھ کٹا تھا۔ وہ اپنے باپ سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ جن کے اترے ہوئے زرد چہرے پہ زمانے بھر کی تھکن آن ٹھہری تھی۔ آنکھوں کی سرخی ان کے ضبط کی گواہ تھی اور لبوں پہ لگی چپ کی مہران کی لامتناہی سوچوں کی غماز۔

ان کی یہ حالت ہر ہر لمحہ انابیہ کے وجود پہ کوڑے بن کر برستی رہی تھی۔ وہ خود کو ان کا مجرم سمجھ رہی تھی، جس کی وجہ سے ان کی خوشیاں، سکون اور عزت ایک بار پھر تار تار ہو کے رہ گئی تھی۔ اس کے لیے خود کو معاف کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

بہن کی محبت بھری آغوش میں سماتے ہوئے وہ ٹوٹ کر اپنے ہر نقصان پہ روئی تھی..... اتنا کہ حوصلوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ مومنہ کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

دل کی وحشتیں جب حد سے سوا ہو جائیں تو کہیں جائے پناہ نہیں ملتی۔ کوئی آواز، کوئی چہرہ باعث سکون نہیں بنتا، حتیٰ کہ خود اپنا وجود بھی ناقابل برداشت بوجھ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ کچھ یہی عالم تیمور منہاج کے بے چین دل کا بھی تھا۔

نیازی صاحب کے گھر سے نکل کے وہ سارا دن سڑکوں کی خاک چھانتا رہا تھا، لیکن دل میں کروٹیں لیتا درد کسی طور کم نہیں ہوا تھا۔ اپنے جذبوں کی بے قدری، اپنی ذات کی نفی اور اپنے وقت کی بربادی نے اسے احساس زیاں میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ جتنا سوچ رہا تھا، اسے اتنا ہی خود پہ اور اپنی فضول محبت پہ افسوس ہو رہا تھا، جس نے ایک خود غرض اور ضدی لڑکی کے پیچھے نہ صرف اپنا دل برباد کر لیا تھا بلکہ اپنے ماں باپ کو بھی تکلیف پہنچائی تھی۔

درحقیقت انابیہ احسان اس درجہ محبت اور وفا کے قابل ہی نہیں تھی۔ لیکن اسے یہ بات سمجھنے میں بہت وقت لگ گیا تھا۔

مگر اب اس حقیقت کے سمجھ میں آجانے کے بعد وہ مزید ایک لمحہ اس بے مہر کی یاد میں ضائع کرنے والا نہ تھا پھر چاہے اس کا دل اس کے اس فیصلے کو قبول کرتا یا نہیں، اس نے بھی آگے بڑھنے کی ٹھان لی تھی۔

خود سے ایک طویل جنگ لڑنے کے بعد وہ تھکا ہارا جس وقت گھر لوٹا، سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد وہ اندر جانے کے بجائے لان میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پہ نڈھال سا آکر گر گیا تھا۔

سر کرسی کی پشت پہ ٹکاتے ہوئے اس نے بے اختیار اپنی جلتی ہوئی آنکھیں موند لی تھیں اور تب ہی پہلو کے ساتھ کھڑی، خاموش آنسو بہاتی انابیہ کا چہرہ اس کی بند پلکوں تلے آسمایا تھا۔

نچلا لب دانتوں تلے دبائے اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا تھا۔ لیکن یادیں ایک بار پھر اس کے دامن سے لپٹنے لگی تھیں۔

وحشت زدہ سا ہو کر وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھا تھا۔

اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اپنے کمرے کا دروازہ دھکیل کے اندر چلا آیا تھا اور پھر بنا رکے دیوار گیر الماری کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

سرعت سے الماری کھول کر، اس نے اندر موجود سیف کو ان لاک کرتے ہوئے سنبھال کر ایک طرف رکھا گلابی لفافہ نکالا تھا۔

سیف اور الماری یونہی کھلی چھوڑ کے وہ لب بھینچے سائیڈ ٹیبل کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک جھٹکے سے دراز کھینچتے ہوئے اس نے اندر پڑا لائٹر اٹھا کر شعلہ جلایا تھا اور پھر کتنی ہی دیر اسے خالی نظروں سے دیکھنے کے بعد ہاتھ میں پکڑے لفافے کے ایک کونے سے چھو دیا تھا۔

اگلے ہی پل آگ لفافے کو نگلنے لگی تھی اور تیمور کو لگا تھا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھینچ دیا ہو۔

تڑپ کر اس نے لفافے کو زور زور سے دائیں بائیں ہلاتے ہوئے منہ سے بھی پھونکیں ماری تھیں۔ جس کے نتیجے میں آگ فوراً ہی بجھ گئی تھی۔ لیکن لفافے کا وہ کونا جل کر سیاہ ہو گیا تھا۔

شدید دکھ کی کیفیت میں گھرے ہوئے اس نے سرخ آنکھوں میں درد کے ڈورے لیے، اس کونے کو دیکھا تھا، جس میں سے دھواں ایک لکیر کی صورت نکل کر ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

وہ کیسے اس تحریر کو جلا سکتا تھا جو کبھی اس کے لیے مژدہ جاں فزا بن کے آئی تھی۔

شکستہ سے انداز میں بیڈ پہ گرتے ہوئے اس نے لفافے میں موجود پرچا نکال کر کھولا تھا اور وہ موتیوں سے الفاظ ایک بار پھر اس کے سامنے بکھر گئے تھے۔

بے اختیاری کے عالم میں اس کی نظریں، کتنی ہی بار پڑھے گئے اس پیغام پہ ایک بار پھر پھسلنے لگی تھیں۔ لیکن آخری سطر تک پہنچتے پہنچتے ساری تحریر دھندلا گئی تھی۔ سارا منظر ڈبڈبا گیا تھا اور ذہن چار سال پیچھے چلا گیا تھا۔

☆ ☆

(دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے
آسیہ سلیم قریشی کے 3 دلکش ناول

کتاب کا نام	قیمت
وہ خبطی سی دیوانی سی	600/- روپے
آرزو نکھر آئی	500/- روپے
تھوڑی دور ساتھ چلو	400/- روپے

ناول منگوانے کے لئے فی کتاب ڈاک خرچ -/45 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

تیرے میرے درمیان

مہوش افتخار

انابیہ احسان اپنے کالج کے اسٹاف اور اسٹوڈنٹس کے ہمراہ دو دن کے لیے بائے روڈ اسلام آباد کے ٹرپ پر جاتی ہے۔ انابیہ اپنی اسٹوڈنٹس کی طرف سے مشکوک ہو جاتی ہے۔ نائمہ اور بشریٰ سب سے آنکھ بچا کر دوسری جانب نکل جاتی ہیں۔ انابیہ اپنی پرنسپل کے ہمراہ ان کا پیچھا کرتی ہے۔ وہ دونوں عماد نامی لڑکے کے پاس پہنچتی ہیں تو عماد کی انابیہ پر بھی نیت خراب ہو جاتی ہے اور وہ اسے بھی اغوا کر کے اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور فیروزہ بائی کے حوالے کر دیتا ہے۔ فیروزہ بائی انابیہ کو حسنی مرتضیٰ کے حوالے کرنے کے لیے خصوصی محفل کا اہتمام کرتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر چونک جاتے ہیں۔ حسنی مرتضیٰ دراصل پولیس آفیسر ہے۔ وہ بہروپ بدل کر لڑکیوں کو اغوا کرنے والے گروہ کے بارے میں شواہد اکٹھے کر رہا ہے۔ اس کا اصل نام تیمور منہاج ہے۔ تیمور، انابیہ کو وہاں سے نکال کر فیروزہ بائی کے گھر پر چھاپہ پڑوا دیتا ہے۔ وہ انابیہ کو نیازی صاحب کے گھر بھیج دیتا ہے۔ نیازی صاحب کی بیگم انابیہ کے منگیتر عمر کی خالہ ہوتی ہیں۔ وہ انابیہ کو ایک مغویہ کی حیثیت میں دیکھ کر عمر کے گھر والوں کو اطلاع کر دیتی ہیں۔

تیمور کی والدہ شیریں بیگم اپنی بھتیجی ماہین سے تیمور کی شادی کرنا چاہتی ہیں مگر تیمور راضی نہیں ہے۔ احسان فاروق، انابیہ کو لینے اجمل نیازی کے گھر آتے ہیں۔ وہ بھی تیمور کو دیکھ کر چونک جاتے ہیں جبکہ تیمور، عمر کے بارے میں جان کر غصہ میں آجاتا ہے۔ تیمور اپنے گھر آکر الماری سے گلابی رنگ کا لفافہ کھول کر پڑھنے لگتا ہے اور اپنے ماضی میں کھو جاتا ہے۔

دوسری اور آخری قسط 2

منہاج مرتضیٰ اسلام آباد کی ایک جانی مانی کاروباری شخصیت تھے۔ ان کے دو بچے تیمور اور ثمو تھے۔ جبکہ ان کی بیگم شیریں شہر کے ایک مشہور این

صرف اس حد تک تھی کہ وہ کبھی کبھار منہاج صاحب کی غیر موجودگی میں آفس سنبھال لیا کرتا تھا۔

اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے منہاج صاحب نے

مکمل ناول

جی او کی روح رواں تھیں۔

منہاج صاحب کی خواہش تھی کہ تیمور باہر سے ایم بی اے کر کے ان کے ساتھ بزنس سنبھالے۔ لیکن تیمور نے ایم اے "آئی آر" کر کے سی ایس ایس کرنے کو ترجیح دی تھی۔ اسے ہمیشہ سے سول آفیسرز کی آن بان اور شان نے متاثر کیا تھا۔ بزنس سے اس کی دلچسپی

بھی اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ لیکن شیریں بیگم کو بیٹے کا یہ فیصلہ کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔ کروڑوں کا بزنس کل کو یونہی خاک میں مل جاتا، یہ انہیں منظور نہ تھا۔ تیمور کو سمجھاتے ہوئے انہوں نے اسے اس فیصلے سے باز رکھنا چاہا تھا لیکن اس کی ضد کے آگے انہیں بھی خاموشی اختیار کرنی پڑی تھی۔ ماسٹرز سے فراغت کے

بعد وہ سی ایس ایس کی تیاری کے لیے لاہور چلا آیا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر منہاج مرتضیٰ کے اچھے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے توسط سے تیمور کی ملاقات شہر کے بہترین اساتذہ سے ہوئی تھی۔ جن میں ایک پروفیسر احسان فاروق بھی تھے۔ وہ گورنمنٹ کالج میں اکنامکس کے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ تھے۔

کالج میں ان سے ملنے کے بعد تیمور نے ان سے کچھ عرصے کے لیے گائیڈ لائن دینے کی درخواست کی تھی۔ جسے قبول کرتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے گھر آنے کا وقت دیا تھا اور یوں وہ مقررہ دن عشاء کے بعد پروفیسر احسان سے ملنے کے لیے ان کے گھر چلا آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"امی! پھر آپی کا کیا ہوا' وہ جا رہی ہیں یا نہیں؟" چائے کا کپ عصمت بیگم کے سامنے رکھتے ہوئے انابیہ اپنا مگ لیے ان کے مقابل آبیٹھی تو عصمت جہاں نے اک گہری سانس لیتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا کارڈلیس ایک طرف رکھ دیا۔

"نہیں! اس کی ساس نے عادل کو سختی سے منع کر دیا ہے اور عادل کو تو تم جانتی ہو۔ اپنی ماں کی بات ٹال دے' ایسا تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ آزردگی سے بولیں تو انابیہ کی پیشانی پہ بل نمودار ہو گئے۔

"لیکن امی! یہ بہت زیادتی ہے۔ مصطفیٰ بھائی ہمارے ماموں کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ ان کی شادی میں اگر آپی نہ گئیں تو کتنی غلط بات ہو گی۔"

"کیا کیا جا سکتا ہے بیٹا! اس کے سسرال والوں کو تو بات کا بتنگڑ بنانے میں صرف ایک لمحہ لگتا ہے جبکہ اب تو معاملہ بھی ان کی بیٹی کا ہے۔" وہ بوجھل لہجے میں بولیں تو انابیہ جھلا اٹھی۔

"فار گاڈ سیک امی! ثنا باجی کی عدت ختم ہوئے ڈیڑھ دو ہفتے ہو چکے ہیں اور آپ کو پتا ہے وہ سارہ تو پچھلے مہینے ہماری کلاس فیلو زنیرہ کی شادی میں پہنچی ہوئی تھی۔ تب زاہدہ آنٹی کو گھر میں ہونے والی فوتگی یاد نہیں تھی؟" وہ عادل کی چھوٹی بہن کا حوالہ دیتے ہوئے جو انابیہ کی کلاس فیلو بھی تھی۔ اس کی بات پہ عصمت محض اک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھیں۔ وہ تھیں کہ زاہدہ بیگم یہ سب صرف مومنہ کو تنگ کرنے کے لیے کر رہی تھیں۔ وہ مومنہ جسے چند سال پہلے خود بڑے چاؤ سے بیاہ کر لے کے گئی تھیں لیکن جس میں اب انہیں کوئی اچھائی دور دور تک نہیں نظر آتی تھی۔

"کیا کہہ سکتی ہوں بیٹا! سوائے اس کے کہ خدا انہیں نیکی کی ہدایت دے۔ میری مومی نے تو ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔" وہ بے دھیانی کے عالم میں سامنے پڑی ٹھنڈی ہوتی چائے تکتے ہوئے بولیں تو ان کی کیفیت دیکھتے ہوئے انابیہ نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ اس موضوع پہ بات کرنے سے سوائے ٹینشن کے اور کیا ملنے والا تھا اور اپنی ماں کو مزید افسردہ اور پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

تب ہی احسان صاحب کمرے میں چلے آئے۔

"تم لوگوں نے ابھی تک تیاری نہیں شروع کی؟" انہیں یوں ڈھلے ڈھالے انداز میں بیٹھا دیکھ کے پوچھے بنا نہ رہ سکے تھے۔ آج چونکہ ان لوگوں کو ... کی مہندی لے کے جانی تھی۔ اس لیے احسان صاحب نے اس خاص لیڈیز فنکشن میں شرکت سے معذرت کر لی تھی۔

"بس کرنے ہی لگے تھے۔" عصمت بیگم ... سے گویا ہوئیں تو احسان فاروق چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"خیر تو ہے' اتنی بجھی بجھی سی کیوں ہو؟"

"وہ مومنہ کا فون آیا تھا۔ رو رہی تھی کہ اس کی ساس نے مصطفیٰ کی شادی میں جانے سے منع کر دیا ہے۔" وہ شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں تو ایک لمحے کے لیے احسان صاحب خاموش ہو گئے۔

"کیوں؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے دھیرے سے سوال کیا۔

"حسن کی فوتگی کی وجہ سے۔" وہ مختصراً بولیں تو احسان صاحب ایک بار پھر خاموش ہو گئے۔

"میں مومنہ سے بات کروں گا۔ تم لوگ اٹھ کر تیاری شروع کرو' ورنہ لیٹ ہو جاؤ گے۔" بیٹی کی تشفی کا سوچتے ہوئے وہ انابیہ کی جانب پلٹے۔ "اور بیٹا! تم تیار ہونے سے پہلے شکور سے کہو کہ چائے کے ساتھ ایک دو لوازمات بھی تیار کر لے۔ کچھ دیر میں میرا ایک اسٹوڈنٹ آنے والا ہے۔" ان کی ہدایت پہ انابیہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے مگ کے ساتھ ساتھ عصمت بیگم کا کپ بھی اٹھا کر ٹرے میں رکھ دیا۔

"میں آپ کے لیے بھی گرم چائے لاتی ہوں۔"

"رہنے دو! دل نہیں کر رہا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولیں تو انابیہ ایک نظر انہیں دیکھنے کے بعد خاموشی سے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بیا! جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے بیٹا۔"

"آ رہی ہوں امی!" عصمت بیگم کی پکار پہ انابیہ نے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھے جھمکے اٹھاتے ہوئے دوڑ کر جھمکے پہنے تھے۔ بیڈ پہ پڑا دوپٹا اٹھا کر کندھے پہ ڈالتے ہوئے وہ سرعت سے کمرے سے نکل کر باہر کی جانب بڑھی تھی۔

ایک ہاتھ سے لاؤنج کا داخلی دروازہ کھولتی وہ دوسرے ہاتھ سے کان میں جھمکا اڑسنے کی کوشش کرتے ہوئے تیز قدموں سے آگے بڑھی تھی' جب معاً بائیں جانب موجود اسٹڈی کا دروازہ کھول کے کوئی عجلت میں باہر نکلا تھا اور سیدھا اس سے آ ٹکرایا تھا۔

"اف!" انابیہ کو لگا تھا جیسے اس کا بایاں کندھا کسی دیوار سے ٹکرا گیا ہو۔ ہاتھ میں پکڑا جھمکا بھی چھوٹ کر نیچے جا گرا۔

"آئی ایم سوری۔ رئیلی ویری سوری!" اپنے ارد گرد گونجنے والے بوکھلائے ہوئے بھاری لیکن انجان لب و لہجے پہ انابیہ نے بھی چونکتے ہوئے اس دیوار کی جانب دیکھا تھا' جس سے وہ ٹکرائی تھی اور اپنے بائیں جانب ایک بے حد وجیہہ اور دراز قامت اجنبی کو دیکھ کے بری طرح شرمندہ ہو گئی تھی۔

عین اسی لمحے تیمور کی سنہری آنکھیں بھی اس کی طرف اٹھی تھیں اور لحظے بھر کو سامنے موجود صبیح چہرے پہ جم کر رہ گئی تھیں لیکن محض لمحے بھر کو۔ اگلے ہی پل وہ اس بلا کے جاذب چہرے کو دیکھتے ہوئے نارمل لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری! یقیناً" آپ کو چوٹ نہیں آئی ہو گی۔" معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے نیچے دیکھا تھا۔ اسے لگا تھا کہ کوئی چیز نیچے بھی گری تھی۔ اپنے پیروں کے قریب پڑے ہوئے جھمکے کو دیکھ کے وہ بے اختیار جھک گیا تھا۔

"امید ہے آپ کا ایئر رنگ بھی ٹوٹا نہیں ہو گا۔" جھمکا انابیہ کی جانب بڑھاتے ہوئے وہ اب کے دھیرے سے مسکرایا تو انابیہ کو لگا جیسے اس کی آنکھوں کا سنہراپن ایک پل کو بڑھ گیا ہو۔ کتنی شفاف آنکھیں تھیں اس کی۔ دل ہی دل میں مقابل کی آنکھوں کو

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

حنا
نادرہ خاتون
قیمت ۔۔۔ -/550 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37- اردو بازار، کراچی۔

سراہتے ہوئے اس نے جھمکا اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

"تھینک یو۔" وہ چونکہ غیر مردوں سے غیر ضروری اخلاق نبھانے کے قائل نہیں تھی۔ اس لیے سپاٹ لہجے میں کہتی آگے بڑھ گئی تھی۔

لیکن اس کے انداز پہ تیمور کی مسکراہٹ سمٹ گئی تھی۔ اس کے نزدیک اَنابیہ نے خاصا بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا تھا اور چونکہ اسے بلاوجہ کے نخرے سخت ناپسند تھے اسی لیے اس کا موڈ بری طرح سے خراب ہو گیا تھا۔ سنجیدہ نظروں سے دور جاتی انابیہ کو دیکھتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہ انابیہ سے پہلے گیٹ پار کر گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آنے والے دنوں میں جہاں تیمور کو پتا چلا تھا کہ وہ احسان صاحب کی دو بیٹیوں میں سے چھوٹی بیٹی ہے، وہیں انابیہ کے بھی علم میں آیا تھا کہ وہ بابا کا نیا اسٹوڈنٹ ہے جو سی۔ ایس۔ ایس کی تیاری کی غرض سے اسلام آباد سے لاہور آیا ہوا تھا۔

اپنی ذہانت اور اچھے اخلاق کی وجہ سے وہ محض چند دنوں میں ہی احسان صاحب کے پسندیدہ افراد کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا۔ اس کا ذکر اب اکثر ان کے گھر میں ہونے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے ہی انابیہ یہ جان پائی تھی کہ اس کا تعلق اسلام آباد کی خاصی جانی مانی کاروباری فیملی سے تھا لیکن بقول احسان صاحب کے اس درجہ امارت کے باوجود اس میں غرور اور تکبر نام کو نہیں تھا۔ بلکہ وہ خاصا باادب اور منکسر المزاج واقع ہوا تھا۔

لیکن انابیہ کو ان کی اس بات سے اتفاق نہیں تھا، کیونکہ احسان صاحب کے باقاعدہ تعارف کروانے کے باوجود کئی بار اتنا سامنا ہونے پر وہ اسے مکمل طور پہ نظر انداز کیے آگے بڑھ گیا تھا۔ جو انابیہ کو حیران کرنے کے ساتھ ساتھ خاصا گراں بھی گزرا تھا۔

مگر اب تو عصمت بیگم بھی اس کی تعریف کرنے لگی تھیں۔ جسے سن کر وہ اس کے دوغلے پن سے وا[illegible] ہو گئی تھی۔ جو بہت سے لڑکوں کی طرح بزرگوں [illegible] سامنے نیکی اور شرافت کا ڈھونگ تو بہت خوبی [illegible] رچاتے تھے، مگر درحقیقت ان کا ان دونوں چیزوں [illegible] دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔

☼ ☼ ☼

عادل آج کافی دنوں بعد آفس جاتے ہوئے مومنہ [illegible] بچوں سمیت احسان صاحب کی طرف چھوڑ گیا تھا [illegible] چونکہ انابیہ کی بھی کالج سے چھٹی تھی، اس لیے [illegible] میں خاصی رونق ہو گئی تھی۔

"آپی! اب آپ دو چار دن رہ کے جایئے گا۔" [illegible] چھوٹے طیب کو گود میں بٹھا کر جوس پلاتے ہوئے بولی [illegible] مومنہ کے چہرے پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ در آئی۔

"ہونہہ! تم دو چار دن کی بات کر رہی ہو۔ کل جب میں نے اپنی ساس سے آج صبح کے لیے اجازت چاہی تو انہوں نے مجھے ہر ہفتے ماں کے گھر جانے پہ وہ سنائیں کہ الاماں۔"

"لیکن آپ تو ایک مہینے بعد آئی ہیں۔" وہ حیرت سے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو مومنہ کے چہرے پہ افسردگی پھیل گئی۔

"ان کے نزدیک یہ بھی روز کا آنا جانا ہے۔ بقول ان کے مہینے ڈیڑھ میں ایک آدھ چکر کافی ہوتا ہے۔" اس کی بات پر جہاں عصمت جہاں نے تاسف سے ایک گہری سانس لی تھی وہیں انابیہ کی پیشانی پہ بل نمودار ہو گئے تھے۔

"تو انہیں کہنا تھا ناکہ اپنا یہ فرمان اپنی بیٹیوں کو بھی سنائیں، جو صحیح معنوں میں ہر دوسرے دن آ [illegible] ہیں۔"

"یہ کہہ کے میں نے سب کے ساتھ ساتھ عادل سے بھی اپنی شامت بلوانی تھی کیا۔" وہ مغموم سی مسکرائی تو انابیہ کا دل جل کر رہ گیا۔

"یہ عادل بھائی ناں صرف نام کے عادل ہیں۔ [illegible] کم از کم اتنا مضبوط تو ضرور ہونا چاہیے کہ وہ صحیح کو [illegible] اور غلط کو غلط کہہ سکے۔ ہر رشتے کو اس کے صحیح مقام پہ رکھنا مرد کا ہی فرض بنتا ہے۔"

"لیکن صحیح مقام ہی تو طے نہیں ہو پاتا۔ جب وہ ماں کی سائیڈ لیتا ہے تو بیوی کو لگتا کہ اس کی حق تلفی ہو رہی ہے اور جب وہ بیوی کو جائز قرار دیتا ہے تو ماں کو لگتا ہے کہ بیٹا غلط کر رہا ہے۔ ساری ذمہ داری مرد کی ہی نہیں، کچھ کردار عورتوں کا بھی ہوتا ہے بیٹا! اور مجھے فخر ہے کہ اگر زاہدہ بہن اپنا کردار صحیح طریقے سے نہیں نبھا رہیں تو میری مومی اپنی ہمت سے بڑھ کے احسن طریقے سے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔" احسان صاحب لاؤنج میں داخل ہوئے تو مومنہ بے تابی سے اٹھ کر ان کے سینے سے لگ گئی۔

"السلام علیکم بابا۔"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو جان بابا؟" انہوں نے اس کا سر چوما۔ ان کی محبت پہ مومنہ کی آنکھوں میں نمی تیر گئی، جسے بمشکل تمام اپنے حلق میں اتارتے ہوئے وہ ان سے الگ ہو گئی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں؟"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا!" وہ اپنے ازلی پر عزم لہجے میں کہتے ہوئے انابیہ کی گود میں موجود طیب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اَلے میرا پیارا بیٹا۔" جھک کر اسے اپنی گود میں لیتے ہوئے انہوں نے اس کے گالوں پہ پیار کیا۔ "میرا ہی مین کہاں ہے بھئی؟" انہوں نے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے تین سالہ عون کے متعلق پوچھا۔

"آپ کا ہی مین مشکور کے ساتھ باہر آئس کریم لینے گیا ہے۔" مومنہ مسکراتے ہوئے بولی تو احسان فاروق بھی مسکراتے ہوئے کاؤچ پہ بیٹھ گئے۔

"بیا! جاؤ کھانا لگاؤ بیٹا!" عصمت بیگم نے انابیہ سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی کچن کی جانب چل دی۔ جبکہ عصمت بیگم احسان صاحب کے لیے گلاس میں جوس ڈالتے ہوئے بولیں۔

"میں اور مومی شام میں غنی بھائی جان کی طرف جانے کا سوچ رہے ہیں تاکہ یہ مبارک بھی دے آئیں اور مصطفیٰ کی بیوی سے بھی مل لیں۔ آپ چلیں گے ہمارے ساتھ؟" انہوں نے گلاس شوہر کی جانب بڑھایا۔

"چلا تو جاؤں، لیکن تیمور کو آنا ہے۔" وہ گلاس تھامتے ہوئے متذبذب سے بولے۔

"تو آپ منع کر دیں کہ آج نہ آئے۔" وہ رسان سے بولیں تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد اثبات میں سر ہلا گئے۔

"ٹھیک ہے! میں کھانے کے بعد اسے فون کر دوں گا۔" گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے وہ مومنہ سے عادل کا حال چال دریافت کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

شام میں عصر کی نماز کے بعد وہ سب جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ اس دوران احسان صاحب نے دو تین بار تیمور کا نمبر ٹرائی کیا تھا لیکن اس کا نمبر بند پا کے وہ بالآخر اس سے بات کیے بنا نکل گئے تھے۔ انابیہ کو چونکہ اپنا اسائنمنٹ مکمل کرنا تھا۔ اس لیے وہ گھر پہ رک گئی تھی۔ عون بھی ساری دوپہر شرارتیں کرنے کے بعد تھوڑی دیر پہلے سویا تھا، اس لیے وہ بھی انابیہ کے پاس ہی تھا۔

عون کے اٹھنے پہ اس نے اسے چپس بنا کے ٹی وی کے آگے کارٹون لگا کے بٹھایا تھا اور خود اسٹڈی میں آ کے ایک ضروری کتاب ڈھونڈنے لگی تھی۔

اسے یہاں آئے کچھ ہی دیر ہوتی تھی، جب دھڑام سے لاؤنج میں کوئی چیز گری اور عون کے زور زور سے رونے کی آواز آئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی کتابیں ٹیبل پہ پھینکتے ہوئے وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی تھی، جہاں اندر کے منظر نے اسے ہولا کر رکھ دیا تھا۔ زمین پہ گرے ہوئے عون کے اوپر کارنر میں رکھا بھاری شیشے کا اسٹینڈ گرا ہوا تھا۔ اور اس کے سر سے خون کی دھار اس کے چہرے کو بھگو رہی تھی۔

چیخ مارتی وہ حواس باختہ سی اس کی طرف دوڑی تھی۔ لپک کر اسٹینڈ ہٹاتے ہوئے اس نے عون کو گود

میں اٹھا کر وحشت کے عالم میں اس کا زخم ٹٹولا تھا۔ اور جونہی اس کی نظر پیشانی سے ذرا اوپر بالوں کے درمیان موجود گہرے کٹ پہ پڑی ' اس کی اپنی جان ہوا ہو گئی تھی۔

ایسے میں گیٹ پر ہونے والی بیل پہ وہ عون کو خود سے لگائے دیوانہ وار باہر کی جانب بھاگی تھی اور بنا کچھ پوچھے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا تھا۔

دوسری جانب تیمور جو اپنے دھیان میں کھڑا تھا' روتی بلکتی انابیہ کو چھوٹا بچہ گود میں اٹھائے دیکھ کے حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"پ۔۔۔ پلیز اسے ہسپتال لے چلیں۔۔ یہ گر گیا ہے۔" وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی تو تیمور نے تیزی سے روتے ہوئے عون کو گود میں لے لیا۔ اس کے سر سے خون بہتا دیکھ کے وہ خود بھی پریشان ہو گیا تھا۔

"باقی سب کہاں ہیں؟" اس نے پریشانی سے ایک نظر پیچھے گھر پہ ڈالی۔

"وہ۔۔۔ وہ گئے ہوئے ہیں ۔۔ میں اک۔۔ اکیلی۔۔۔" آنسوؤں کی شدت سے اس کے لیے بات مکمل کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ تیمور نے ایک نظر اس کے متوحش چہرے ' ننگے پیروں اور خون لگے کپڑوں کو دیکھا۔ اور تیزی سے گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔

وہ گاڑی میں تیمور کے برابر آ بیٹھی تھی۔ جس نے عون کو اسے تھمانے کے بعد تیزی سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ تیزی سے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

☆ ☆ ☆

عون کے سر میں پانچ ٹانکے آئے تھے۔ اس دوران انابیہ تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکی تھی۔ تیمور نے ہی ٹانکے لگوانے تک اسے گود میں اٹھائے رکھا تھا۔

ٹریٹمنٹ مکمل ہو جانے کے بعد وہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ عون کو لیے روتی ہوئی انابیہ کے پاس چلا آیا تھا۔ اس کی حالت دیکھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب تسلی آمیز لہجے میں بولے۔

"حوصلے سے کام لیں مسز تیمور! آپ کا بیٹا اب بالکل ٹھیک ہے۔" اور انابیہ جو عون کو گود میں لیے آنسو بہا رہی تھی' ایک پل کو رونا بھول کر ڈاکٹر کی شکل دیکھنے لگی تھی۔

اس کے تاثرات پہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیمور کے لبوں پہ مسکراہٹ آن ٹھہری تھی ' جسے چھپانے کے لیے چہرہ جھکا گیا تھا۔

"آپ گاڑی میں بیٹھیں ۔۔ میں جب تک دوائیں لے کے آتا ہوں۔" وہ گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تو وہ جز بز سی ہوتی' چابی اس کے ہاتھ سے لے کے باہر کی جانب بڑھ گئی۔

گاڑی کا دروازہ یوں استحقاق سے کھولتے ہوئے شرمندگی کی ایک نئی لہر انابیہ کو اپنے اندر اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔ اس وقت تو پریشانی کے عالم میں اسے کچھ بجھائی نہیں دیا تھا' لیکن اب اسے رہ رہ کر ہر بات کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے تو اپنا پرس تک اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس خیال کے آتے ہی انابیہ نے مارے شرمندگی کے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبائے ہوئے بایاں ہاتھ آنکھوں پہ رکھ لیا تھا۔ تب ہی دوسری طرف کا دروازہ کھول کے تیمور اندر بیٹھا۔۔ بے اختیار وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" دواؤں کا شاپر ڈیش بورڈ پہ رکھتے ہوئے بولا تو انابیہ نے نگاہیں چراتے ہوئے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا ۔ اپنے برابر بیٹھے تیمور منہاج کی موجودگی کا احساس اسے اب بخوبی ہو رہا تھا۔ بے اختیار اس نے اپنی نظریں عون کے چہرے پہ جمادیں 'جو اس کی گود میں سو گیا تھا۔

"چابی ملے گی؟" مزاج دار محترمہ کو یوں بھیگی بلی بنے دیکھ کے نجانے کیوں تیمور کو خاصا مزا آیا تھا۔ جب ہی اسے تنگ کرنے کو اس نے اس کی جھکی نظروں کے سامنے اپنی چوڑی ہتھیلی پھیلاتے ہوئے شرارت سے کہا تو انابیہ کا چہرہ مارے خفت کے گلابی پڑ گیا۔ اور تیمور کے لیے زندگی میں پہلی بار کسی چہرے سے نگاہیں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا۔

"آئی ایم سوری!" اپنی بے دھیانی پہ خود کو کوستے ہوئے اس نے چابی اس کے ہاتھ پہ رکھ دی تو تیمور ایک گہری نظر اس کے چہرے پہ ڈال کر مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"آپ کا بہت، بہت شکریہ' آج اگر آپ وقت پہ نہ آتے تو نجانے میں کیا کرتی۔" انابیہ کی احساس ممنونیت میں ڈوبی آواز تیمور کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"مائی پلیژر لیکن یہ چھوٹا ہے کون؟" اس نے ایک نظر سوئے ہوئے عون پہ ڈالی۔

"یہ میرا بھانجا ہے عون۔ آپی' امی اور بابا کے ساتھ ماموں کی طرف گئی ہوئی ہیں۔ مجھے کالج کا کچھ کام تھا اس لیے میں گھر پہ ہی رک گئی تھی۔ یہ بھی اس وقت سو رہا تھا' اس لیے آپی اسے میرے پاس چھوڑ گئیں اور پیچھے سے یہ حادثہ ہو گیا۔ اب جب وہ آئیں گی تو میں انہیں کیا کہوں گی؟" بات کرتے کرتے اسے نئی پریشانی نے آن گھیرا تو تیمور اس کے فکر مند چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"کوئی بات نہیں ۔۔ بچوں کو چوٹیں لگ ہی جاتی ہیں۔ آپ نے کوئی جان بوجھ کر تو اسے نہیں گرایا ناں۔" مگر انابیہ کے اعصاب پہ مومنہ سے زیادہ عادل کی فکر سوار ہو چکی تھی۔

وہ ایک گہری سانس لیتی' کھڑکی سے باہر بھاگتے ہوئے منظر پہ نگاہیں جما گئی۔

☆ ☆ ☆

تیمور نے ٹھیک کہا تھا۔ مومنہ نے تو اسے حقیقتاً ایک لفظ تک نہیں کہا تھا لیکن رات میں جب عادل انہیں لینے کے لیے آیا تو گھر میں اچھا خاصا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مومنہ کو بے نقط سناتے ہوئے' اس نے درپردہ سب ہی پہ اپنی بھڑاس نکالی تھی۔

"امی ٹھیک کہتی ہیں ۔۔ یہاں آکر تو تمہارے رنگ ڈھنگ ہی بدل جاتے ہیں۔ اپنے گھٹیا رشتے داروں سے ملنے کا اتنا ہی شوق چرایا تھا تو اولاد کو بھی ساتھ لے کے جاتیں۔ اسے یہاں کس کے سر پہ پھینک گئی تھیں؟" وہ تیوریاں چڑھائے مومنہ کو غصے سے گھورتا ہوا بولا تو اپنے ماں باپ کے سامنے اس درجہ بد لحاظی پہ روتی ہوئی مومنہ کی سسکی نکل گئی۔ اور انابیہ جسے پہلی بار بہنوئی کے اصل رنگ ڈھنگ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا' دکھ کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب گئی تھی۔

کیا یہ وہی پڑھا لکھا اور ڈیسنٹ شخص تھا' جسے ان لوگوں نے اس کی آپی کے لیے پسند کیا تھا؟ وہ تو آج تک یہی سمجھتی رہی تھی کہ آپی کے سسرال والے درحقیقت ان دونوں میاں بیوی کے درمیان اختلاف کا باعث تھے۔ لیکن آج اسے پتا چلا تھا کہ عادل بذات خود کتنے پانی میں تھا۔ بیوی اور اس کے خاندان کی عزت کی دھجیاں اڑاتے ہوئے وہ کہیں سے بھی ایک ویل آف فیملی کا بندہ نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ وہ کسی جاہل سے گھرانے کا ایک سطحی سا انسان لگ رہا تھا' جسے اپنی بیوی اور اپنے سسرالیوں کی بے عزتی کر کے ان پہ رعب ڈال کے بڑے پن کا احساس ہو رہا تھا۔

"اب اگر سیر سپاٹوں سے طبیعت سیر ہو گئی ہو تو گھر چلیں؟" مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ طنزیہ لہجے میں بولا تو خاموش تماشائی کی صورت کھڑی عصمت بیگم آگے بڑھ آئیں۔

"عادل بیٹا! میں تم سے معذرت کرتی ہوں۔ تم یوں ناراض ہو کے مت جاؤ۔ دیکھو میں نے تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنایا ہے۔"

"بہت شکریہ۔ پیٹ بھر گیا ہے میرا۔" ان کی محبت کے جواب میں وہ انتہائی بدتمیزی سے کہتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اور تم کان کھول کر میری بات سن لو۔" تنبیہی انداز میں انگلی اٹھاتا وہ ایک بار پھر مومنہ کی طرف پلٹا تو عصمت بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ انہوں نے اپنی بیٹی کو کس جہنم میں دھکیل دیا تھا۔

"آئندہ اگر تم میرے بچوں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آئیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ اب اپنا سامان سمیٹو اور دس منٹ کے اندر اندر باہر آجاؤ۔" وہ

ان تینوں پہ ایک تلخ نگاہ ڈالتا تیز قدموں سے لاؤنج عبور کر گیا تو سسکتی ہوئی مومنہ آنسو بہاتی ماں کے سینے سے لگتے ہوئے بلک بلک کے رو پڑی۔

اسے یوں زارو قطار روتا دیکھ کے انابیہ بھی تڑپ کے بن سے آلگی۔

"مجھے معاف کر دیں آپی! پلیز مجھے معاف کر دیں۔" شرمندگی اور دکھ کا احساس اسے اندر ہی اندر مارے دے رہا تھا جبکہ لب بھینچے متاسف سے احسان فاروق کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ آج کن الفاظ میں اپنی پیاری بیٹی کی تشفی کروائیں۔

☼ ☼ ☼

وہ لان میں کتابیں لے کے پڑھنے کے ارادے سے بیٹھی تھی، مگر ذہن کل سے اتنا بوجھل ہو رہا تھا کہ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ تھک کر اس نے بالآخر کتابیں بند کر دی تھیں اور کرسی کی پشت سے سر ٹکائے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

گیٹ سے اندر آتے تیمور کی نظر اپنے بائیں جانب موجود لان میں بیٹھی انابیہ پہ پڑی تو وہ عون کا حال احوال پوچھنے کی نیت سے اس کی طرف چلا آیا لیکن اسے آنکھیں موندے دیکھ کے وہ بے اختیار کچھ فاصلے پہ رک گیا تھا۔

گہری سوچ کی پرچھائیاں اس کے شفاف چہرے پہ صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ بے اختیار تیمور کو پچھلے ایسے بہت سے موقعے یاد آئے تھے، جب اس کی اجنبیت اس کی خفگی اس کی پریشانی اور اس کی خفت کے بے شمار رنگ تیمور نے اس کے چہرے پہ بکھرتے دیکھے تھے۔ اس کا چہرہ تیمور کو ایک آئینہ لگتا تھا جس کے ذریعے دیکھنے والا اس کے اندر کا حال با آسانی پڑھ سکتا تھا اور ایسے بولتے چہروں کے بارے میں عموماً"یہی کہا جاتا ہے کہ ان کے ظاہر اور باطن میں تضاد نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ اپنے خیالات کو منافقت کی چادر نہیں پہنا سکتے۔

اس کے چہرے پہ پھیلے سوچوں کے جال سے نگاہیں چراتے ہوئے وہ خاموشی سے واپس پلٹنے کو تھا جب ایک گہری سانس لیتے ہوئے انابیہ نے آنکھیں کھول دی تھیں اور تیمور کو دیکھ کے سرعت سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"تیمور صاحب!" اس کے پکارنے پہ تیمور نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔

"السلام علیکم۔" انابیہ نے ایک نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے سلام کیا تو تیمور کا دل نجانے کیوں بکھر سا گیا۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"عون؟ میں اسی کا پوچھنے کے لیے آپ کی طرف آیا تھا، لیکن پھر آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ لان میں اپنی موجودگی کی وجہ بیان کرتے ہوئے بولا، مبادا وہ غلط سمجھتے ہوئے برا نہ مان جائے۔

"اللہ کا شکر ہے، رات تک اس کی طبیعت بہت بہتر ہو گئی تھی۔" عون کے ذکر پہ نہ چاہتے ہوئے بھی انابیہ کے لہجے اور چہرے پہ افسردگی در آئی، جسے وہ دلچسپ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"خیر تو ہے؟ آپ مجھے کچھ پریشان سی لگ رہی ہیں۔" اس کے سوال پہ انابیہ نے قدرے چونکتے ہوئے اپنے مقابل کھڑے تیمور منہاج کی طرف دیکھا اور بے اختیار اسے لڑتا جھگڑتا، طنزیہ باتیں کرتا عادل یاد آیا تھا۔

"نہیں! بس یوں ہی ذرا سر میں درد ہو رہا تھا۔" اک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو تیمور اس کے ٹالنے پہ خاموش ہو گیا۔

"میں نے دراصل آپ کو اس لیے روکا تھا کہ آپ کو آپ کے پیسے لوٹا سکوں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی تو تیمور الجھ سا گیا۔

"کون سے پیسے؟"

"وہ جو کل آپ نے عون کے۔۔۔"

"مس انابیہ! مانتا ہوں کہ آپ خاصی خوددار واقع ہوئی ہیں لیکن کل میں نے جو بھی کیا احسان صاحب

کی فیملی کے لیے کیا۔ کیونکہ میں آپ لوگوں کو کسی طور غیر نہیں سمجھتا۔ ہاں اگر آپ سمجھتی ہوں تو اور بات ہے۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ سنجیدہ لہجے میں بولا تو انابیہ سٹپٹا سی گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو صرف یہ کہنا....."

"آپ کا جو بھی مطلب تھا، لیکن میں آپ کو بتادوں مجھے آپ کی بات سے دکھ پہنچا ہے۔" اس کی بات کاٹ کر ایک بار پھر سختی سے بولا۔

"آئی ایم سوری۔"

"اٹس آل رائٹ۔" نرم لہجے میں کہتا وہ پلٹ کر آگے بڑھ گیا تو انابیہ کی آنکھیں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی چوڑی پشت پہ جم گئیں۔ اچانک تیمور نے پلٹ کر انابیہ کی جانب دیکھا۔

"اس اپنائیت کے لیے شکریہ!" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گیا انابیہ بھی دھیرے سے مسکرادی۔

☆ ☆ ☆

اس واقعے کے بعد انابیہ اور تیمور کے درمیان حائل تکلف کی دیوار گر گئی تھی۔ ساتھ ہی ایک دوسرے کے لیے دونوں کی رائے میں بھی واضح تبدیلی آئی تھی۔

انابیہ یہ جان گئی تھی کہ تیمور صرف دکھاوے کی حد تک اچھا نہیں، بلکہ حقیقتاً" ایک سلجھا ہوا انسان ہے جبکہ تیمور بھی یہ سمجھ گیا تھا کہ جسے وہ انابیہ کی بد تہذیبی سمجھ رہا تھا، وہ دراصل اس کا گریز تھا، کیونکہ ان کے درمیان استوار ہونے والی بے تکلفی کے باوجود وہ تاحال تیمور سے ایک فاصلہ رکھ کے بات کرتی تھی۔

اس کا یوں خود کو سنبھال کر سلیقے اور اعتماد سے بات کرنا تیمور کو بے حد اچھا لگا تھا۔ وہ خود بھی بے حد پر اعتماد اور نفیس شخصیت کا مالک تھا، اتنی امارت اور وجاہت کے باوجود اس میں غرور یا بد لحاظی نام کو نہیں تھی، لیکن وہ ہر کام حد میں رہ کر کرنا پسند کرتا تھا اور دوسروں کو بھی اپنی حد میں دیکھنا چاہتا تھا، مگر اس کا تعلق جس کلاس سے تھا، وہاں صنف نازک ہر حد پار کرنے پہ تلی رہتی تھی، جو اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایسے میں انابیہ کی ذات اپنے انفرادی انداز کے ساتھ اسے سب سے الگ لگی تھی۔ اس کے گرد موجود بھیڑ چال سے یکسر مختلف۔

ایک عجیب سی کشش تھی جو تیمور کو انابیہ کے لیے محسوس ہونے لگی تھی۔ اسے دیکھنا، اس سے بات کرنا اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ کیوں؟ ابھی یہ سوال اس نے خود سے نہیں کیا تھا۔

لیکن جب ویک اینڈ پہ وہ اسلام آباد گیا اور شیریں بیگم نے اپنی بھتیجی ماہین کے حوالے سے اس سے سوال کیا تو وہ ایک لمحے کے لیے چپ سا ہو گیا۔

"ماہین؟" اس نے اچنبھے سے ماں کی طرف دیکھا۔ یک لخت اسے ماہین کے بدلے ہوئے انداز یاد آنے لگے جو وہ پچھلے کئی ماہ سے نوٹ کر رہا تھا۔

مسلسل خاموشی نے ان کے لبوں پہ موجود مسکراہٹ غائب کردی۔

"میں نے ایسا کب کہا؟" اس نے بے بسی سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ "لیکن میرے ذہن میں جو تصور لائف پارٹنر کا ہے، ماہین اس سے دور دور تک میچ نہیں کرتی۔" وہ صاف گوئی سے بولا تو شیریں بیگم کی بھنویں تن گئیں۔

"اور تمہارے ذہن میں لائف پارٹنر کا کیا تصور ہے؟" انہوں نے استہزائیہ انداز میں سوال کیا تو چھم سے انابیہ احسان کا سراپا اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تیمور؟" اس کی خاموشی پہ انہوں نے ناگواری سے کہا تو وہ اس انکشاف سے ملنے والے جھٹکے سے بمشکل تمام خود کو سنبھالتے ہوئے جھلا اٹھا۔

"پلیز ممی! کیا آپ کے لیے یہ کافی نہیں کہ مجھے ماہین اس لحاظ سے پسند نہیں؟"

"نہیں! اور تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہو گا کہ تم اپنی اس تصوراتی دنیا سے باہر نکل کے پریکٹیکل انداز میں سوچنے لگو۔" وہ سخت لہجے میں اپنی بات کہہ کر

کمرے سے باہر نکل گئیں تو تیمور مارے غصے کے لب بھینچ کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"انابیہ بیٹا! میں نے تیمور کو رات کے کھانے پہ روک لیا ہے۔ اس لیے تھوڑا بہت اہتمام کر لینا۔" وہ کمپیوٹر کے آگے بیٹھی کچھ کام کر رہی تھی۔ جب احسان صاحب نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے مطلع کیا۔

عون والے واقعے کے بعد احسان فاروق اور عصمت جہاں دل سے تیمور کی اچھائی کے معترف ہو گئے تھے اور اچھی بات یہ تھی کہ اب انابیہ کو بھی اپنے والدین کی اس پسندیدگی سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ جب ہی احسان صاحب کی اس اچانک فرمائش پہ وہ بنا کچھ کہے اثبات میں سرہلاتی کچن میں چلی آئی تھی۔ جہاں عصمت بیگم پہلے سے موجود تھیں۔

ان سے پوچھنے کے بعد کہ اتنی جلدی کن ڈشز کا اضافہ کیا جائے وہ فوراً" کام میں لگ گئی تھی۔

تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد اس نے کھانا ڈائننگ ٹیبل پہ لگا دیا تھا۔

"آنٹی! اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی؟ جو بھی بنا ہوا تھا کھا لیتا۔" تیمور نے کرسی کھینچتے ہوئے ٹیبل پہ نگاہ دوڑائی۔ جہاں تین چار ڈشز کے ساتھ رائتہ اور سلاد بھی سجا ہوا تھا۔

"کہاں اہتمام کیا ہے بیٹا! بلکہ بیا تو کہہ رہی تھی کہ ہمیں تیمور کی صحیح طرح سے دعوت کرنی چاہیے۔" عصمت جہاں نے اپنی دھن میں کچن میں ہونے والی گفتگو کا حوالہ دیا تو انابیہ گڑبڑا گئی۔

بے اختیار اس کی نظریں تیمور کی جانب اٹھی تھیں جو مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ شرمندہ ہو گئی۔

"کیوں نہیں، لیکن پھر ساری کوکنگ انابیہ کریں گی۔" اس کے ہاتھ سے ڈش لیتے ہوئے تیمور نے خوش دلی سے کہا تو عصمت بیگم مسکرادیں۔

"بیٹا! آج بھی کوکنگ انابیہ نے ہی کی ہے۔"

"اچھا!" اس نے خوشگوار حیرت کے ساتھ انابیہ کی جانب دیکھا۔ بے اختیار اس کا دھیان ماہین کی جانب گیا تھا، جو کم و بیش انابیہ کی ہی ہم عمر تھی، لیکن اسے ڈھنگ کا ایک کپ چائے کا بھی بنانا نہیں آتا تھا۔

کھانا بے حد لذیذ تھا۔ تیمور نے خوب سیر ہو کے کھایا تھا۔ اوپر سے گھر جیسا اپنائیت بھرا ماحول۔ تیمور نے بہت دنوں بعد اتنا اچھا وقت گزارا تھا۔

کھانے کے بعد احسان صاحب کے کوئی ملنے والے آگئے تو وہ انہیں اور تیمور کو لیے ڈرائنگ روم میں چلے گئے تھے جبکہ عصمت جہاں عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

انابیہ نے ٹیبل سمیٹنے کے بعد فٹافٹ کافی بنا کر ڈرائنگ روم میں بھجوائی اور اپنا کپ اٹھا کر لان میں آگئی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" اپنا کپ تھامے تیمور پیچھے کھڑا تھا۔

"ضرور۔" تیمور زیر لب مسکراتا ہوا مقابل رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

"بہت اچھی کوکنگ کر لیتی ہیں آپ لیکن میں کافی بغیر شکر اور دودھ کے پسند کرتا ہوں۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرایا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا یوں کھلی فضا میں چاندنی کے سائے تلے انابیہ کے مقابل بیٹھنا۔ اسے دیکھنا۔ اس سے باتیں کرنا۔

"تھینک یو۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ مدھم سی مسکراہٹ لیے نرمی سے بولی تو تیمور کو لگا جیسے اردگرد بکھری چاندنی مزید چمک اٹھی ہو۔

"کیا مجھے آج، اس پل انابیہ کے سامنے اپنے دل کی سچائی بیان کردینی چاہیے؟" اس کے روشنی بکھیرتے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے تیمور نے ہاتھ میں پکڑا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے سوچا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" اسے اچانک خاموش ہوتا دیکھ کے انابیہ نے ایک نظر اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ جہاں پھیلا تذبذب صاف نظر آرہا تھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کبھی کبھی انسان کا پہلا اندازہ کتنا غلط ثابت ہوتا ہے۔" دل ہی دل میں جیسے کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے اس نے انابیہ کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟" انابیہ نے نا سمجھی کے عالم میں اس کی جانب دیکھا تو تیمور دھیرے سے مسکرا دیا۔

"مطلب یہ کہ پہلی ملاقات میں آپ کی شخصیت کا جو تاثر مجھ پہ پڑا تھا' وہ بعد میں بالکل غلط ثابت ہوا۔ آپ اس انابیہ سے بالکل مختلف ہیں جیسا میں نے آپ کو سمجھا تھا۔"

"اور آپ نے مجھے کیسا سمجھا تھا؟" اس کی بات سن کے انابیہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"سچ سننا چاہیں گی یا جھوٹ؟" تیمور نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کافی کا آخری گھونٹ لے کے کپ میز پہ رکھ دیا۔

"ظاہر سی بات ہے سچ۔" انابیہ نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر سچ یہ ہے کہ مجھ پہ آپ کا پہلا امپریشن خاصی روڈ اور خود پسند قسم کی لڑکی کا پڑا تھا اور چونکہ مجھے بلاوجہ کے نخرے بالکل پسند نہیں اس لیے میں نے بھی آپ کو مکمل طور پہ نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔" وہ مزے سے اپنے اولین احساسات سے لے کر اپنی حکمت عملی تک بتاتے ہوئے بولا تو انابیہ کی ہنسی چھوٹ گئی اور تیمور جس نے پہلی بار اسے یوں کھل کر ہنستے ہوئے دیکھا تھا' ایک پل کو مبہوت سا ہو گیا۔

"اچھا! تو آپ اس لیے اتنے اکڑے ہوئے رہتے تھے اور میں سمجھی تھی کہ آپ ہیں ہی ایسے۔" وہ اپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے شرارت سے بولی تو تیمور نے محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیسا؟"

"اریوگینٹ' مغرور اور بد تمیز۔" وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے بولی تو تیمور کا بھاری قہقہہ ارد گرد گونج اٹھا۔

"تو یہ طے ہوا کہ فرسٹ امپریشن از "ناٹ" دا لاسٹ امپریشن۔" وہ اسے چمکتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو انابیہ بھی مسکرا دی۔

"ہمارے کیس میں تو یہی ہوا ہے۔" وہ کندھوں کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے بولی تو تیمور ایک پل کو اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن میرے کیس میں صرف یہی نہیں ہوا۔"

"اچھا!" انابیہ نے تجسس سے اس کی طرف دیکھا۔ "آپ کے کیس میں بھلا اور کیا کیا ہوا ہے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دیکھیں انابیہ! میں بہت پریکٹیکل اور صاف گو قسم کا بندہ ہوں۔ لفظوں سے کھیلنا' باتوں میں الجھانا مجھے نہیں آتا۔ شروع سے ہی میری زندگی کے کچھ اصول رہے ہیں۔ جن پہ دولت کی فراوانی اور ہر طرح کی آزادی بھی اثر انداز نہیں ہو سکی۔ صرف اسی لیے کہ مجھے ہر چیز اپنی حد میں پسند ہے۔ میں نہ صرف خود اپنی حد میں رہنا پسند کرتا ہوں' بلکہ مجھے وہی لوگ اچھے لگتے ہیں جو پر اعتماد اور باوقار ہوں۔ جن میں اتنا سینس ہو کہ وہ اچھے برے میں تمیز کر کے اپنے لیے حدود مقرر کر سکیں۔ اور آپ میں ماشاءاللہ یہ خوبی موجود ہے۔" بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولتا وہ ایک لمحے کے لیے رکا تو انابیہ کی پلکیں بے اختیار جھک گئیں۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتی ہیں اور نہ ہی میری طرف سے آپ پہ کسی قسم کا کوئی دباؤ ہے۔ آپ اپنی رائے میں مکمل طور پہ آزاد ہیں لیکن میں اپنے دل کی بات آپ تک پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ صرف اس لیے کہ اگر آپ کو میری ذات قابل اعتبار لگے تو میں بخوشی آپ کو اپنی زندگی میں ہمیشہ کے لیے شامل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور اگر نہیں' تو یقین جانیں' مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہو گا۔ میں محبت سے پہلے آپ کی عزت کرتا ہوں انابیہ۔ اور جن لوگوں کی عزت کی جاتی ہے ان کے لیے کبھی برا نہیں سوچا جاتا۔ اس لیے پلیز! آپ بے فکر ہو کر اس بارے میں سوچیے گا۔ آئی ہوپ! آپ نے میری بات کا برا نہیں مانا ہو گا۔" اس کی لرزتی پلکوں پہ نگاہیں جمائے وہ دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

انابیہ کی حیران آنکھیں بے اختیار دور جاتے تیمور سہاج کی چوڑی پشت پہ جا ٹھہریں۔ چاندنی کے عکس میں اس کا لحظہ بہ لحظہ آگے بڑھتا وجود بے حد روشن اور منفرد لگ رہا تھا۔ بالکل ویسے جیسے اس کی سوچ تھی۔

اس میں کوئی شک نہ تھا کہ جتنا خوب صورت اس کا ظاہر تھا' اتنی ہی خوب صورت اس کی سوچ تھی۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ وہ اس سے اپنے دل کا رشتہ "عزت" کی بنیاد پہ استوار کرنے کا خواہش مند تھا۔

انابیہ ساری رات سوچنے کے بعد بالآخر اس فیصلے پہنچی تھی کہ اسے عزت کی ردا میں لپٹی اس محبت کو ٹھکرا کے کفران نعمت نہیں کرنا چاہیے۔

☼ ☼ ☼

تیمور کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ وہ انابیہ احسان کے سامنے اپنا دل تو کھول کے رکھ آیا تھا مگر اب وقت تھا کہ کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ لیکن انتظار کے یہ لمحے جہاں بڑے جاں گسل تھے' وہیں پر کیف بھی تھے۔ اسی امید اور نا امیدی کا دامن تھامے وہ اگلی شام وہاں پہنچا۔

تو انابیہ کو گھر میں نہ پا کے اس کا مضطرب دل یک لخت ساکت ہو گیا تھا۔

"تو یہ ہے تمہارا فیصلہ انابیہ احسان! لیکن اگر تم اپنا یہ فیصلہ میرے روبرو مجھے سناتیں تو شاید مجھے اتنا برا نہ لگتا جتنا کہ تمہارے اس پہلو تہی کے بعد محسوس ہوا ہے۔" لب بھینچے وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

شدید طیش کے عالم میں وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گیٹ پار کرنے ہی والا تھا' جب شکور کے پکارنے پہ اس نے بے اختیار پلٹ کے دیکھا تھا۔

"صاحب جی! یہ انابیہ بی بی نے آپ کے لیے دیا تھا۔" بھاگ کر اس کے پیچھے آتے شکور نے ہاتھ میں پکڑا ایک گلابی لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو تیمور نے چونکتے ہوئے اس لفافے کی جانب دیکھا اور پھر تیزی سے اسے تھام لیا۔

شکور کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے وہیں کھڑے کھڑے بے تابی سے لفافہ کھول کر اندر موجود پرچا نکال لیا۔

"سورج پر دستک دینا... آسان نہیں
اپنا ہاتھ جلا لینا... آسان نہیں
چل کر اپنے پاؤں سے
کھیلنا گرم شعاعوں سے... آسان نہیں
جیون کے اک ایسے دوراہے پر گم صم سی کھڑی ہوں
میں
ادھر مڑوں یا ادھر کو جاؤں' اس الجھن میں پڑی ہوں
میں
نئی ڈگر کو مڑ جانا... آسان نہیں
ٹوٹ کے پھر سے جڑ جانا... آسان نہیں!

میرے لیے یہ فیصلہ حقیقتاً "آسان نہیں' لیکن چونکہ آپ کا پہلا حوالہ "عزت" ہے' اس لیے نجانے کیوں دل آپ پہ اعتبار کرنے کو کہتا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ آپ کبھی میرے اعتبار کو بے امان نہیں ہونے دیں گے۔"

الفاظ تھے یا کوئی خزانہ۔ تیمور کو لگا تھا کہ جیسے سارے جہان کی خوشیاں کسی نے ایک پل میں اس کے دامن میں ڈال دی ہوں۔ چند لمحے پیشتر کی اذیت اور جلن آن واحد میں دھواں بن کے ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

تیمور کے ہاتھ میں پکڑی تحریر پہ چند آنسو بے اختیاری کے عالم میں آگرے تو وہ جیسے ماضی سے ہاتھ چھڑاتا حال میں لوٹ آیا۔

"وہ رو رہا تھا؟" کاغذ پہ گرنے والے قطروں کو چونک کر دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی آنکھوں کو چھوا تو پلکوں کی نمی اس کی انگلیوں پہ آن ٹھہری۔ جنہیں دیکھتے ہوئے اس کے لب بے اختیار بھینچ گئے۔

خالی نظروں سے اپنی انگلیوں کو تکتے ہوئے اس کی نگاہیں دوسرے ہاتھ میں تھمی تحریر پہ پڑیں تو دل میں جیسے اک ہوک سی اٹھنے لگی۔

بے اختیار اک بوجھل سانس کھینچتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑا پرچا بے دلی سے سائیڈ ٹیبل پہ ڈال دیا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا کھڑکی میں آکھڑا ہوا' جہاں دور تک سوائے تاریکی اور سناٹے کے اور کچھ نہ تھا۔

یہ جو تیرے میرے درمیاں
ہے عجیب سا اک رابطہ
اسے توڑ دوں
اسے چھوڑ دوں
اسے کون سا میں موڑ دوں؟
یہ سلسلہ عجیب ہے
رگ و جاں کے یہ قریب ہے
لفظوں میں یہ نہ ڈھل سکے
رشتے میں یہ نہ بدل سکے
اسے کون سا میں نام دوں
اسے کون سا انجام دوں؟؟

اس نے تھک کر اپنا سر کھڑکی سے ٹکاتے ہوئے جلتی ہوئی آنکھیں موندلی تھیں۔

☼ ☼ ☼

تجھ سے بچھڑ کے بس اتنا ہوا وصی
تیرا کچھ گیا نہیں' میرا کچھ بچا نہیں

"ممی! آپ ماموں سے بات کرلیں۔ میں ماہین سے شادی کے لیے تیار ہوں۔" جوس کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے تیمور نے بنا کسی کی طرف دیکھے انتہائی نارمل لہجے میں کہا تو ایک پل کو ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تینوں افراد کو سانپ سونگھ گیا۔

"کیا؟" اپنی تمام تر خفگی بھلائے شیریں بیگم نے بے یقین نظروں سے بیٹے کو تکتے ہوئے بے اختیار سامنے بیٹھے شوہر کی جانب دیکھا' جو خود بھی حیران سے تیمور کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ کل صبح جو کچھ ہوا تھا وہ ان کے سامنے ہی تو تھا۔

"مگر ایک بات! مجھے شادی میں کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہیے۔" ان کی حیرت اور سوال دونوں نظر انداز کیے وہ یک لخت ہاتھ میں پکڑا گلاس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔ اس کا چہرہ مکمل طور پہ بے تاثر تھا۔ یوں جیسے وہ اپنی نہیں' بلکہ کسی اور کی شادی کی بات کررہا ہو۔

کچھ غلط ہونے کا احساس ثمرہ کے اندر بڑی شدت سے جاگا تھا جسے محسوس کرتے ہوئے وہ الجھنے کے ساتھ ساتھ خاصی پریشان بھی ہوگئی تھی۔ جبکہ شیریں بیگم کی بے یقینی تیمور کا اگلا جملہ سن کے خوشگوار حیرت میں تبدیل ہوگئی تھی۔

"آپ ایک دو دن میں ماموں سے مل کے ساری بات طے کرلیں۔ میں اب اس معاملے میں مزید تاخیر نہیں چاہتا۔" اپنی بات مکمل کرتا وہ بنا کچھ سنے اٹھ کر ڈائننگ روم سے باہر نکل گیا تو پیچھے چھایا طلسم جیسے ٹوٹ گیا۔

"مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ تیمور' ماہین سے شادی کے لیے تیار ہوگیا ہے۔" پرجوش سی شیریں بیگم "ماہین" پہ زور دیتے ہوئے بولیں تو ثمرہ ماں کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے بھی یقین نہیں آرہا۔ اس لیے پلیز! آپ ابھی ماموں سے بات کرنے کی غلطی مت کیجیے گا۔"

"کیا مطلب؟" شیریں بیگم نے الجھ کر بیٹی کی جانب دیکھا۔ منہاج صاحب کی نظریں بھی ثمرہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"مطلب یہ ممی کہ کل تک وہ جس لڑکی کا نام نہیں سننا چاہتے تھے آج وہ اچانک کیسے اس سے شادی کے لیے تیار ہوگئے ہیں؟ کچھ تو ہوا ہے ورنہ......"

"ہو سکتا ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہو۔" شیریں بیٹی کی بات کاٹتے ہوئے بولیں تو ثمرہ دل گرفتگی سے بولی۔

"فار گاڈ سیک ممی! کون سی غلطی؟ انابیہ کو پسند کرنا یا ماہین کو ناپسند کرنا؟ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ان دونوں میں سے کچھ بھی غلط نہیں۔ اپنا لائف پارٹنر

چننے کا انہیں پورا پورا حق ہے۔"

"ہاں! تو اب جب اس نے خود ہی ماہین کو چن لیا تو تم کیوں مجھے منع کررہی ہو؟" ثمرہ کے لبوں سے بے اختیار اک گہری سانس برآمد ہوئی۔

اس کی نظریں بے اختیار منہاج صاحب کی طرف اٹھی تھیں' جو اسے سر کی خفیف جنبش سے تسلی دیتے ہوئے شیریں بیگم سے مخاطب ہوئے۔

"ثمرہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تیمور کے دماغ میں کیا چل رہا ہے' اسے جانے بغیر تمہیں کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ چند دن رک کر تیمور سے اس بارے میں دوبارہ بات کرو اور اگر وہ اپنے فیصلے پہ قائم رہے تو بے شک اسی دن جاکے بات پکی کر آنا۔" وہ سنجیدہ لہجے میں گویا ہوئے تو شیریں بیگم دل مسوس کر رہ گئیں لیکن چونکہ بات ان کی بھی غلط نہیں تھی' اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں اثبات میں سر ہلانا پڑگیا۔

ان کے خاموشی اختیار کرنے پہ ثمرہ کا بے چین دل جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ اناببیہ احسان تھی اس کے بھائی کی زندگی میں کیا اہمیت تھی' یہ اس نے ان گزرے چار سالوں میں بخوبی جان لیا تھا۔ تیمور کی بے رنگ زندگی نے اسے پہروں' بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ اور اب اس کی صرف یہی خواہش تھی کہ اس کا پیارا بھائی زندگی کی طرف لوٹ آئے' لیکن پوری آمادگی اور دل کی خوشی کے ساتھ۔

☼ ☼ ☼

اناببیہ کی بے ہوشی پہ اسے فوراً اسپتال لے جایا گیا تھا۔ جہاں ڈاکٹرز نے نروس بریک ڈاؤن کی اطلاع دیتے ہوئے اسے داخل کرلیا تھا۔ اس کی حالت خاصی نازک تھی۔

ابھی بھی مومنہ عشاء کی نماز کے بعد حاجت کے نوافل ادا کرکے اس کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ مختلف آیات اس پہ پڑھ کر پھونکتے ہوئے اس نے آگے بڑھ کے اپنی چھوٹی بہن کی پیشانی چومی تھی' جس کا پھول سا نازک چہرہ بالکل کملا کر رہ گیا تھا۔ اس کی بند آنکھوں کے گرد پڑے ہوئے حلقے دیکھ کے مومنہ کا دل بے اختیار کٹنے لگا تھا اور آنکھیں نئے سرے سے جلنے لگی تھیں۔

کتنی مشکل سے اناببیہ کی زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہونے چلا تھا کہ تقدیر نے ایک بار پھر سب کچھ تہس نہس کر ڈالا تھا۔ ان کے بابا محض چند ہی دنوں میں برسوں کے مریض لگنے لگے تھے۔ ان کے جھکے شانے' تھکا ہوا چہرہ مومنہ کو اندر ہی اندر مارے دے رہا تھا لیکن وہ ان کے سامنے ہمت سے کام لینے پہ مجبور تھی' مگر تنہائی میں اس کا صبر یونہی جواب دے جایا کرتا تھا۔ جیسے اس وقت وہ بے حوصلہ ہوکے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔ اپنی پیاری ماں کو یاد کرتے ہوئے اس کے دل پہ لگا ہر زخم نئے سرے سے رسنے لگا تھا اور ذہن میں اس تلخ وقت کی جیسے ایک فلم سی چلنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

عون کو لگنے والی چوٹ کو مہینے سے اوپر ہوگیا تھا۔ اس دوران احسان صاحب اور عصمت بیگم اناببیہ کو لیے فقط ایک ہی بار نواسے کا حال احوال پوچھنے مومنہ کی طرف گئے تھے اور وہاں جس سرد مہری سے سب ان کے ساتھ پیش آئے تھے' اسے دیکھتے ہوئے مومنہ نے خود ہی انہیں دوبارہ وہاں آنے سے منع کردیا تھا۔ گو کہ ان کے دوبارہ نہ آنے پہ بھی مومنہ کو ڈھیروں ڈھیر باتیں سنائی گئی تھیں مگر اس نے بھی جیسے اپنے لب سی لیے تھے۔ اس دوران گھر والوں سے اس کا رابطہ صرف فون تک محدود ہوکر رہ گیا تھا۔ عصمت بیگم نے اسے عادل کی ناراضی دور ہونے تک میکے نہ آنے کی ہدایت کی تھی۔ مومنہ بچوں کے بنا' شوہر کی خفگی مول لے کر ان کی طرف آتی' یہ انہیں منظور نہ تھا۔

بیٹی کی پریشانی اور اس کے سسرال والوں کے رویے دیکھتے ہوئے احسان صاحب نے عصمت جہاں کے مشورے سے ان سب کے لیے' نواسے کی صحت

یابی کا بہانہ کرتے ہوئے دعوت کا اہتمام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

انابیہ کو بھی تناؤ دور کرنے کا یہ خاصا مناسب طریقہ لگا تھا۔ مومنہ کے علم میں یہ سب آیا تو اس نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔

اس کے منع کرنے کے باوجود احسان صاحب خود دعوت کا پیغام لے کر اس کے سسرال آئے تھے۔ انہیں امید تھی کہ ان لوگوں کی یہ پیش رفت ایک مثبت قدم ثابت ہوگی مگر۔

☼ ☼ ☼

"عون کی صحت یابی کی خوشی میں کھانا؟" زاہدہ بیگم نے طنزیہ نظروں سے مقابل بیٹھے احسان صاحب کی طرف دیکھا تو مومنہ کا خون کھول اٹھا۔

"ویسے آپ لوگ بھی کمال ہیں۔ نواسے کو دوبارہ دیکھنے کی زحمت تو کی نہیں گئی اور اب اس کی صحت یابی کی خوشی میں کھانا کرنے چلے ہیں۔" وہ استہزائیہ انداز میں بھنویں سکیڑتے ہوئے بولیں تو ایک لمحے کے لیے احسان فاروق کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اپنی سمدھن کو کیا جواب دیں۔

"خیر! وہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ اپنے نواسے کو پوچھیں یا نہ پوچھیں۔ لیکن ہماری طرف سے تو آپ معذرت قبول کریں۔ ہم لوگ آپ کی طرف نہیں آسکیں گے۔"

"کیوں بہن! خیر تو ہے؟ ایسی کیا بات ہوگئی جو آپ لوگ ہماری طرف نہیں آسکتے؟" احسان صاحب نے پریشانی سے کہا۔

"دیکھیں بھائی صاحب! میں صاف بات کرنے کی عادی ہوں۔ آپ کی بیٹی نے ہمیں ایسا کوئی سکھ نہیں دیا جو ہم دوڑ دوڑ کر آپ کی طرف آئیں۔ رہا عادل تو اب تو اسے بھی بہت کچھ سمجھ میں آگیا ہے۔" وہ معنی خیز مسکراہٹ لبوں پہ سجائے گویا ہوئیں تو احسان صاحب کی پیشانی پہ بہت کوشش کے باوجود بل آن ٹھہرے۔ جبکہ مومنہ مارے ضبط کے اپنا نچلا لب کاٹ کر رہ گئی۔

"مثلاً" کیا سمجھ میں آگیا ہے؟" انہوں نے بے حد تحمل سے استفسار کیا۔ حالانکہ ان کی بات انہیں بے حد بری لگی تھی۔

"یہ تو اب آپ اپنے داماد سے پوچھیے گا۔ میں کچھ کہہ دوں گی تو خواہ مخواہ باتیں بنیں گی پہلے ہی خاصی بری مشہور ہوں میں۔" انہوں نے دروازے سے اندر داخل ہوتے عادل کو دیکھا۔

عادل کے لٹھ مار انداز میں کیے گئے سلام کے باوجود وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو ناچار عادل کو بھی آگے بڑھنا پڑا۔

"کیسے ہو بیٹا؟" انہوں نے دھیرے سے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"ٹھیک۔" وہ ایک لفظ میں جواب دیتا ان کے مقابل رکھے صوفے پہ ماں کے برابر جا بیٹھا۔ اس کے چہرے کے تنے ہوئے نقوش دیکھ کر ہی مومنہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ "اندر" سے ہی خاصی فارم میں بھیجا گیا تھا۔

"بیٹا! تمہارے سسر ہم سب کو کھانے پہ انوائٹ کرنے کے لیے آئے ہیں۔" اس سے پہلے کہ احسان فاروق کچھ کہتے' زاہدہ بیگم اسی میٹھے لہجے میں بول اٹھیں۔

"کیوں؟" وہ بجائے احسان صاحب کی طرف دیکھنے کے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو مومنہ کی درد میں ڈوبی نظریں بے اختیار باپ کی جانب اٹھ گئیں۔ اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے وہ بے اختیار اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے تھپکنے لگے۔ لیکن آنسو اس تیزی سے اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے کہ سارا منظر دھندلا گیا۔

"عون ماشاء اللہ سے صحت یاب ہو گیا ہے نا اس لیے۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"عون کی صحت یابی سے ان لوگوں کا کیا تعلق؟" وہ اب بھی انہیں نظرانداز کیے ماں سے بولا تو فوراً ہی زاہدہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"یہ تو تم اب ان ہی سے پوچھو۔" اور ان کے جواب پہ مومنہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"فرعون اولاد ہے میری اور یہ میرے ماں باپ ہیں۔ میں چونکہ غلطی سے آپ کی بیوی ہوں، اس لیے "ان لوگوں" کا مجھ سے اور میرے بچوں سے وہی تعلق ہے جو آپ کے گھر والوں کا ہے۔" وہ "ان لوگوں" پہ زور دیتی غصے سے بولی تو عادل کی بھنویں تن گئیں۔

"دیکھی آپ نے اپنی بیٹی کی زبان؟ اسے اتنی تمیز تو ہے نہیں کہ شوہر سے کیسے بات کی جاتی ہے۔" وہ انتہائی تیز لہجے میں بولا۔

"مومی! تم خاموش ہو جاؤ بیٹا۔" احسان صاحب اتنا ہی کہہ سکے۔

"کیسے خاموش ہو جاؤں بابا! میں اپنی بے عزتی تو برداشت کر سکتی ہوں۔ مگر کوئی۔۔۔ کوئی آپ کو۔۔۔" آنسوؤں کی شدت نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی تو احسان صاحب نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے شانے سے لگا لیا۔

"ارے! تو ہم نے کیا کہہ دیا تمہارے باپ کو جو تم یوں جھکوں پھکوں رونے بیٹھ گئی ہو؟" زاہدہ ہاتھ نچا کر بولیں۔

"ہونہہ! باپ کے لیے تو ایک لفظ سننا گوارا نہیں اور شوہر کو جو پہلے دن سے کبھی کسی نے ڈھنگ سے پوچھا نہیں، اس پہ تو آج تک سوال نہیں کیا۔" اس کی اتنی بڑی بات پہ مقابل بیٹھے احسان فاروق کے لیے مزید خاموش رہنا ناممکن ہو گیا۔

"عادل بیٹا! یہ "ڈھنگ سے پوچھنا" کیا ہوتا ہے؟ ہم نے تو تمہاری عزت میں کبھی کمی نہیں کی بلکہ تمہیں تو ہمیشہ داماد کے بجائے اپنا بیٹا مانا ہے۔" وہ دکھ سے اس کا چہرہ تکتے ہوئے بولے۔ تو وہ گردن کو خفیف سا جھٹکا دیتے ہوئے بولا۔

"ہونہہ! صرف منہ زبانی۔ ورنہ آپ میری بات یوں رد نہ کرتے۔"

"کون سی بات؟" انہوں نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا تو ان کے شانے سے لگی مومنہ خود کو سنبھالتی تیزی سے سیدھی ہوئی۔

"بابا! یہ آپ کی جائیداد میں سے میرا حصہ اپنے نام کروانا چاہتے ہیں۔ جو میں مر کے بھی نہیں ہونے دوں گی۔" اس کی بات پہ جہاں احسان فاروق ہکا بکا رہ گئے، وہیں عادل کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔

"کمینی، گھٹیا عورت! تو تم نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ تمہارا باپ نہیں مان رہا؟"

"ہاں! میں نے جھوٹ بولا۔ میرے باپ کی محنت کی کمائی آپ جیسے لالچی اور کم ظرف لوگوں کے لیے نہیں۔۔۔" مومنہ کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہو پائی تھی کہ عادل چیل کی طرح اڑ کر اس کی جانب لپکا تھا مگر اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ مومنہ کو چھو پاتے، احسان صاحب سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بہت ہو گیا تماشا عادل! میں ابھی اتنا کمزور نہیں ہوا کہ تم میری بیٹی پہ میرے سامنے ہاتھ اٹھاؤ اور میں چپ چاپ برداشت کر جاؤں۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اپنی طبیعت کے برخلاف انتہائی غضب ناک لہجے میں بولے۔

"تو اٹھائیں اپنی اس بیٹی کو اور نکل جائیں میرے گھر سے۔ میں اب اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتا۔" وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بدتمیزی کی سب حدیں پار کر گیا تھا۔ اس کی بات پہ احسان صاحب کا چہرہ مارے طیش کے سرخ پڑ گیا تھا۔ شور شرابے کی وجہ سے گھر کے سب ہی افراد ڈرائنگ روم کے دروازے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

"میں اگر جاؤں گی تو اپنے بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔" روتی ہوئی مومنہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھی تو عادل نے تیزی سے اس کا بازو تھامتے ہوئے پیچھے کو دھکیلا۔

"وہ میرے بچے ہیں۔ تم اس گھر سے اکیلی ہی دفع ہو گی۔"

"عادل!" اس کی اس حرکت پہ احسان فاروق کا ضبط جواب دے گیا تو وہ بے اختیار تنبیہی انداز میں اسے پکار اٹھے۔ "اتنے چھوٹے بچوں کو تم تو کیا دنیا کا کوئی قانون ماں سے دور نہیں کر سکتا۔ اس لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم بچوں کو مومنہ کے ساتھ جانے دو۔"

"جانے دو بیٹا! ہمیں کیا پڑی اس ناگن کی اولاد کو اپنے پاس رکھنے کی۔" زاہدہ نے لپک کر بیٹے کے کندھے پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ ان جیسی چالاک عورت یہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اتنے چھوٹے بچوں کو سنبھالنا آسان نہ تھا۔ دن میں تارے نظر آ جانے تھے۔

"مگر امی۔۔۔" وہ جھنجلایا۔ ساماں کی طرف پلٹا تو انہوں نے اس کے شانے کو تسلی آمیز لہجے میں دبایا۔

"جانے دو ذرا اسے اور اس کے گھر والوں کو بھی تو آٹے دال کا بھاؤ پتا چلے۔" وہ ایک طنزیہ نظر احسان صاحب اور مومنہ پہ ڈالتے ہوئے ہوشیاری سے بولیں۔

اسے جھاگ کی طرح بیٹھتا دیکھ کے سسکتی ہوئی مومنہ دیوانہ وار اندر کی جانب بھاگی اور اپنے دونوں بچوں کو متاعِ جاں کی طرح خود میں سموئے، عادل حسن کی خواہش پوری کر گئی۔

☼ ☼ ☼

بلکتی ہوئی مومنہ نے باپ کے ساتھ ہی گھر کے اندر قدم رکھا تو گویا کہرام مچ گیا۔ عصمت بیگم تو کتنی ہی دیر اسے خود سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر روتی رہیں لیکن جب تھوڑا سنبھلنے پہ احسان صاحب نے انہیں پوری بات بتائی تو وہ بھی بہت کچھ سوچنے پہ مجبور ہو گئیں۔ جو لوگ اس کے باپ کے سامنے اس کا یہ حال کر رہے تھے وہ تنہائی میں اس کا کیا حال کرتے ہوں گے؟ یہ سوچ کر ہی ان کا کلیجہ منہ کو آنے لگا تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد بالآخر وہ دونوں اس نتیجے پہ پہنچے تھے کہ دو تین دن بعد عصمت بیگم اور احسان صاحب خود عادل سے کہیں باہر جا کے ملیں گے اور علیحدہ گھر کی تجویز رکھنے کے ساتھ ساتھ جائیداد میں سے مومنہ کا حصہ بھی ان دونوں کے نام کرنے کا فیصلہ کیا۔

ان کی بیٹی اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اپنے گھر میں خوش اور آباد رہے، انہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

مومنہ کو اپنے میکے آئے آج چھٹا دن تھا۔ اس دوران احسان صاحب نے تین چار بار عادل کو فون کیا تھا۔ مگر دوسری جانب سے ان کی کال ہر بار کاٹ دی گئی تھی۔

اس کی اس بدتمیزی پہ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے تھے۔ مگر چونکہ بیٹی کا معاملہ تھا، اس لیے حوصلے اور صبر سے کام لیتے ہوئے انہوں نے ایک دو روز مزید انتظار کرنے کے بعد اس کے آفس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اسی سوچ میں مستغرق وہ ناشتے میں مصروف تھے جب کال بیل کی آواز پہ مشکور باہر کی جانب گیا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ واپس آیا تو ہاتھ میں مومنہ کے لیے ایک مہربند لفافہ تھا، جسے دستخط کرنے کے بعد مومنہ نے وصول کر لیا تھا۔

مومنہ نے لفافہ کھول کر اندر موجود کاغذ نکالا۔

جیسے جیسے مومنہ کی نگاہیں سطروں پہ سے پھسلتی گئیں، ویسے ویسے اس کا چہرہ زرد اور آنکھیں بے یقینی سے پھٹتی چلی گئیں۔

"امی۔۔۔ بابا۔۔۔ عادل نے مجھے طلاق۔۔۔" وحشت زدہ سی مومنہ نے مختل ہوتے حواس کے ساتھ ماں باپ کی جانب دیکھا۔ بے جان ہوتے ہاتھوں سے کاغذ نکل کر ٹیبل پہ گر گیا تھا۔

"ہائے! ہائے میرے اللہ!" عصمت جہاں نے بے اختیار اپنا دل تھاما تھا۔ جبکہ احسان فاروق دیوانہ وار اٹھ کر اس کاغذ کی جانب لپکے تھے، جو ان سب کے لیے بربادی کا پیغام لے کر آیا تھا۔ انابیہ منہ پہ ہاتھ رکھے ہکا بکا بیٹھی تھی۔

"بابا! بابا! یہ۔۔۔ یہ سچ نہیں ہے نا بابا! میں۔۔۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ کچھ بھی نہیں کہا۔" پاگلوں کی طرح

ان کا بازو ہلاتے ہوئے مومنہ بے قراری سے بولی تو ساکت کھڑے احسان فاروق جیسے ہوش میں آگئے۔ کھینچ کر اسے سینے سے لگاتے ہوئے وہ تڑپ کر رو دیے تھے۔

باپ کے آنسوؤں نے مومنہ کی ہر خوش فہمی بکھیر دی تھی۔ اس کی بے یقینی نے یقین کی سرحد کو چھوا تو گھر کے درودیوار اس کی چیخوں سے لرز اٹھے تھے اور وہ وہیں باپ کے بازوؤں میں کسی ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کسی نے صحیح کہا ہے "انسان جب کسی دکھ میں مبتلا ہوتا ہے تو صرف اسی دکھ کا احساس اسے نہیں رلاتا بلکہ خود پہ بیتی ہر تکلیف' ہر برا وقت نئے سرے سے یاد آکر آنسوؤں میں اضافہ کر جاتا ہے۔ مومنہ بھی بہن کی تکلیف پہ روتے روتے اپنے غموں کو یاد کرنے بیٹھ گئی تھی۔

کوئی شخص اتنا بھی کم عقل اور بے حس کیسے ہو سکتا ہے کہ محض دوسروں کے کہنے پہ ایک انتہائی معمولی بات پہ نہ صرف اپنا گھر تباہ کرلے بلکہ اپنے بچوں کو بھی دنیا کے سرد و گرم جھیلنے کے لیے تنہا چھوڑ دے۔

☼ ☼ ☼

آنے والی صبح احسان صاحب اور مومنہ کے لیے خوشیوں کی نوید لے کر آئی تھی۔ انابیہ کو ہوش آگیا تھا بے اختیار سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے وہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے سے لپٹ گئے تھے۔

ڈاکٹرز چند ضروری ٹیسٹ لینے کے بعد ہی انابیہ کو روم میں شفٹ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

☼ ☼ ☼

شادی کے پانچ سال بعد ثمو کی نند انعم کے ہاں جڑواں بچوں کی پیدائش پر ثمو اس سے ملنے اسپتال پہنچی۔ انعم اور اس کے بچوں سے ملنے کے بعد ثمو باقی سب کے ساتھ باہر نکلی تو دھیان بے اختیار محب کی کھانسی کی طرف چلا گیا۔

وہ احمر کے ساتھ محب کو لے کر چائلڈ اسپیشلسٹ کے پاس جانے کے لیے مڑی تو بائیں طرف کے بجائے دائیں طرف مڑ گئی۔ وہاں آئی سی یو سے کسی مریض کو اسٹریچر پر لایا جا رہا تھا۔

ایک طرف ہٹتے ہوئے اس کی نظر پیچھے آتے ڈاکٹرز کے ساتھ چلتے افراد کی جانب اٹھی اور وہ ایک پل کے لیے بری طرح الجھ گئی تھی۔ سامنے موجود تین' چار چہروں کے درمیان دو چہرے اسے نہ جانے کیوں جانے پہچانے سے لگے تھے۔

بغور ان کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی پرسوچ نگاہیں یوں ہی وارڈ بوائز کے درمیان موجود اسٹریچر پہ دراز وجود سے ٹکرائیں تو وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی۔

"یہ... یہ تو انابیہ ہے!" اسٹریچر پہ دراز کمزور اور زرد چہرے کو پہچاننا' وہ بھی چار سال بعد گو کہ اتنا آسان نہ تھا۔ لیکن نہ جانے کیسے اس نے یہ مرحلہ محض ایک لمحے میں طے کرلیا تھا۔ اسے وہیں بت بنا دیکھ کے قدرے آگے کو کھڑا احمر واپس پلٹا تھا۔

"احمر! یہ... یہ وہی لڑکی ہے' جسے تیمور بھائی پسند کرتے تھے۔" وہ آگے جاتے اسٹریچر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے بولی تو احمر بھی چونک گیا۔

"آپ پلیز پتا کروائیں اسے کیا ہوا ہے؟" وہ احمر کا بازو تھامتے ہوئے مضطرب سی بولی تو وہ حیران سا اس کا چہرہ تکنے لگا۔ پھر گہری سانس لے کر بولا۔

"اچھا آؤ معلوم کرتے ہیں۔" وہ ثمو کا ہاتھ تھام کر آن ڈیوٹی اسٹاف کی طرف بڑھا۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ انابیہ کو نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور اب وہ روم نمبر 105 میں شفٹ کردی گئی ہیں۔ ثمرہ کا بوجھل دل بے اختیار چھلک اٹھا۔

"میں نہیں جانتی کہ انابیہ کو کیا پریشانی ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ دونوں خوش نہیں احمر! خوش نہیں۔" اس کے بازو سے پیشانی ٹکائے وہ بے اختیاری کے عالم میں رو پڑی۔

☼ ☼ ☼

روم نمبر 105 کے باہر کھڑے اسے نہ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی مگر اندر جانے کی ہمت مجتمع نہیں ہو پا رہی تھی۔ انابیہ اور اس کے گھر والوں کے رد عمل کا سوچ کر اسے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ لب چباتے وہ شدید ذہنی دباؤ کے عالم میں دروازے کو کھڑی دیکھ رہی تھی' جب اچانک دروازہ کھلا اور اپنے دھیان میں باہر نکلتی مومنہ ٹھٹک کر اس کے مقابل رک گئی تھی۔

مقابل نے اسے پہچان لیا تھا اور پہچان کا احساس ہوتے ہی اس کی ہتھیلیاں پسیج گئی تھیں۔

"السلام علیکم۔" تھوک نگلتے ہوئے اس نے اپنی گھبراہٹ پہ قابو پانے کی کوشش کی۔

"وعلیکم السلام..." مومنہ نے جواب دیا اور ایک طرف ہو کر ثمو کو اندر جانے کا رستہ دیا۔ وہ جھجکتی ہوئی کمرے میں چلی آئی۔ جہاں سامنے بیڈ پہ آنکھیں بند کیے انابیہ کو دیکھ کے اس کے بوجھل قدم بے اختیار رک گئے تھے اور نظریں اس کے کمزور چہرے پہ جیسے جم سی گئی تھیں۔

"انابیہ کو کچھ دیر پہلے دوا دی تھی' اس لیے وہ سو رہی ہے۔" چند لمحے یوں ہی گزر گئے تو مومنہ نے دھیمے لہجے میں اسے مطلع کیا۔

اس کی بات پہ جہاں ثمو کی محویت ٹوٹی تھی' وہیں اس کے منتشر اعصاب اور گھبرائے ہوئے دل کو تھوڑی سی تسلی ہوئی تھی۔ وہ اب قدرے حوصلے سے مومنہ سے بات کرنے کی ہمت کر سکتی تھی' ورنہ انابیہ کا سامنا کرنے کی سوچ نے تو اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

"نہیں... انہیں ہوا کیا ہے؟" وہ جھجکتے ہوئے مومنہ سے مخاطب ہوئی تو وہ اس کے گھبرائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"بیا کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔" اس کے جواب پہ ثمو نے ایک نگاہ انابیہ کے چہرے پر ڈالتے ہوئے بے چینی سے اپنی انگلیاں چٹخائی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس نروس بریک ڈاؤن کی وجہ کیسے پوچھے۔

"ایسا کیا ہوا تھا جو وہ..." وہ ایک لحظے کو مناسب الفاظ کی تلاش کے لیے رکی تھی کہ مومنہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارے بھائی نے تمہیں نہیں بتایا؟"

"بھائی؟" اس نے الجھ کر مومنہ کی جانب دیکھا۔

"تیمور بھائی کا اس سب سے کیا تعلق ہے؟" اس کے چہرے اور آنکھوں سے چھلکتی الجھن اور حیرت نے مومنہ کو ایک لمحے کے لیے خاموش کر دیا۔

"تم یہاں اسپتال کس سلسلے میں آئی ہو؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔

"میں... میں تو یہاں اپنے ہزبینڈ اور سسرال والوں کے ساتھ آئی ہوں۔ میری نند ایڈمٹ ہے یہاں۔" وہ الجھ کر گویا ہوئی تو مومنہ بے اختیار خاموش ہو گئی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ تیمور نے انابیہ کا پتا لگوا کر ثمو کو یہاں بھیجا تھا۔ جب ہی تو اس نے بنا کوئی سوال کیے اسے کمرے میں آنے دیا تھا کہ بہرکیف وہ ان کا محسن تھا' لیکن اب بھلا وہ اپنی کہی بات کو کیسے سنبھالے گی؟

"لیکن آپ نے یہ کیوں سمجھا کہ میں یہاں تیمور بھائی کے کچھ بتانے پہ آئی ہوں؟ کیا وہ انابیہ کی حالت کے بارے میں جانتے ہیں؟ کیا وہ آپ لوگوں سے رابطے میں ہیں؟" مضطرب سی وہ مومنہ کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ مومنہ کے منہ سے تیمور کا ذکر سن کے اس کی تو حیرت ختم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

"نہیں! اس کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔

"پھر آپ نے تیمور بھائی کا نام کیوں لیا؟"

"میرے پاس تمہاری اس کیوں کا کوئی جواب نہیں اور پلیز! مجھے ڈاکٹر سے ملنے جانا ہے۔ اس لیے مزید تمہارے پاس نہیں ٹھہر سکتی۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے تیز قدموں سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

مومنہ کا یوں کنی کترا کے نکل جانا اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ تیمور کی ذات کہیں نہ کہیں اس سارے معاملے میں شامل ضرور تھی۔

اس نے اچانک ماہین کے لیے ہاں کر کے ان سب

کو حیران کردیا تھا۔ یہ کیا گورکھ دھندا تھا اور یہ کیسے سلجھنے والا تھا' وہ حقیقتاً" بری طرح الجھ گئی تھی۔

اسپتال سے ثمو کی واپسی انتہائی اضطراب کے عالم میں ہوئی تھی۔ جس کو دور کرنے کا واحد حل اس کے پاس صرف یہی تھا کہ وہ فوراً" تیمور سے اس بارے میں بات کرے۔ گو کہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ بھی مومنہ کی طرح اسے کچھ بھی بتانے سے انکاری ہوجاتا۔ مگر پھر بھی وہ ہر حال میں سچ جاننا چاہتی تھی اور حقیقت تک پہنچنے کے لیے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اب کی بار اس موضوع کو کس رخ اور کس انداز سے زیر بحث لائے گی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم بھائی! کیسے ہیں آپ؟" مناسب موقع ملتے ہی ثمو نے تیمور کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق تیمور کو بھی اس وقت فارغ ہونا چاہیے تھا اور وہی ہوا تھا' وہ نہ صرف فارغ تھا بلکہ خاصی تسلی سے اس نے ثمو کا بھی حال احوال دریافت کیا تھا۔

"بھائی! مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔" ادھر ادھر کی گفتگو کے بعد ثمو نے اپنے سوچے گئے طریقے کے مطابق موضوع کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

"ہاں! پوچھو۔" دوسری طرف سے تیمور کی ٹھہری ہوئی آواز آئی تھی۔

"آپ حال ہی میں انابیہ سے کیوں ملے تھے؟ اور پلیز! بھائی مجھے سچ بتایئے گا۔"

اس کی توقع کے عین مطابق دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں انابیہ سے ملا ہوں؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد دوسری جانب سے پوچھا گیا تو وہ تیمور کے فرار کی ساری راہیں مسدود کرنے کو مضبوط لہجے میں بولی۔

"انابیہ کی بہن نے۔" اس کے جواب پہ تیمور سوچ میں پڑ گیا۔ یہ مومنہ' ثمو کو کہاں مل گئی' اور مومنہ اتنے سنگین حادثے کے بارے میں اور وہ بھی ثمو کے سامنے' اتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت کیسے دے سکتی تھی؟

"تو پھر تم نے اسی سے کیوں نہ یہ سوال کرلیا؟" وہ بغیر کسی گھبراہٹ کے نارمل لہجے میں بولا تو ثمو جو یہ سمجھے ہوئے تھی کہ شاید وہ مومنہ کا نام سن کے پریشان ہوجائے گا۔ بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"پوچھا تھا لیکن ـــــ" وہ بے بسی سے ابھی اتنا ہی بولی تھی کہ تیمور کو اپنا جواب مل گیا تھا۔ اگلے ہی پل اس نے پرسکون انداز میں اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"لیکن اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔ ویسے وہ تمہیں ملی کہاں تھی؟"

"میں آپ کے سوال کا جواب تب ہی دوں گی جب آپ میری بات کا جواب دیں گے۔" وہ قطعی لہجے میں بولی تو تیمور اک گہری سانس کھینچ کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑے گا۔

"انابیہ اپنی کولیگز اور اسٹوڈنٹس کے ساتھ ٹرپ پہ اسلام آباد آئی تھی۔ یہاں ان کے ساتھ حادثہ پیش آگیا تھا۔ جس کی خفیہ انکوائری مجھے سونپی گئی تھی۔ اسی سلسلے میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔"

وہ چونکہ یہ بھی جان چکا تھا کہ مومنہ نے اسے کچھ بھی بتانے سے احتراز کیا تھا۔ اس لیے اس نے بھی اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس بات کی حفاظت ویسے بھی وہ اپنا اخلاقی فرض سمجھتا تھا۔

لیکن اس کے جواب پہ ثمو کی الجھن کم ہونے کے بجائے بڑھ گئی تھی۔ بھلا ایسا کون سا حادثہ پیش آگیا تھا جو انابیہ کے اعصاب ہی جواب دے گئے تھے؟ یا پھر اس نروس بریک ڈاؤن کی وجہ کچھ اور تھی اور اس کا اس حادثے سے کوئی تعلق نہیں تھا؟ لیکن پھر انابیہ کی بہن نے تیمور کا حوالہ کیوں دیا تھا' جبکہ اس کے علم میں تو انابیہ کا ہاسپٹلائزڈ ہونا تھا ہی نہیں؟ معاملہ بہرکیف اتنا سیدھا نہیں تھا جتنا وہ سمجھے ہوئے تھی۔

"انابیہ کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ اسی لیے وہ سب اسپتال میں تھے۔" اس کو اندازہ ہوگیا تھا کہ تنہا معاملے کی تہہ تک پہنچنا اس کے بس کی بات نہیں' اسی لیے اس نے تیمور کو ساری بات بتانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"کیا؟ تمہیں کیسے پتا چلا؟" اس کی تڑپ پہ ثمو کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس کی متفکر آواز ثمو کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"آپ خود کیوں نہیں آکر دیکھ لیتے۔"

"میرا وہاں کیا کام۔" عمر کا چہرہ اس کی آنکھوں کے آگے گھوم گیا تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ نمودار ہوکے غائب ہوگئی۔

"پلیز بھائی! کیوں اپنے دل کا امتحان لے کر خود کو اذیت دے رہے ہیں۔ کیا پتا یہ حادثہ' آپ دونوں کو ملانے کا کوئی بہانہ ہو۔"

"کوئی بہانہ نہیں۔ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کرچکی ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو ثمو کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا... کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس کی منگنی ہوچکی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی تیمور کی آواز میں در آئی تھی۔ جبکہ ثمو کے سارے الفاظ اس کے اندر ہی کہیں کھو کر اسے سناٹے کی سی کیفیت میں دھکیل گئے تھے۔

"آئی ایم سوری بھائی!" بنا سوچے سمجھے وہ آنسوؤں کے درمیان بولی تو تیمور کا دل بہن کی اس درجہ محبت پہ کٹ کر رہ گیا۔

"تم کیوں افسردہ ہوتی ہو۔ جدائی کا یہ فیصلہ کل بھی اس کا تھا اور آج بھی اس نے ہی اس فیصلے پہ آخری مہر لگائی ہے۔ وہ شاید میری اس درجہ پرخلوص اور شدید محبت کے قابل ہی نہیں تھی۔" اس کے زخموں سے چور شکایتی لہجے پہ روتی ہوئی ثمو بے اختیار تڑپ اٹھی۔ اس کے لیے مزید چپ رہنا ناممکن ہوگیا تھا۔

"نہیں بھائی! وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھی اور مجھے یقین ہے وہ آج بھی آپ کو اتنا ہی چاہتی ہوگی۔ سچی محبت کو بھلانا اتنا آسان نہیں ہوتا بھائی!"

"جو انابیہ احسان کو کبھی مجھ سے تھی ہی نہیں لیکن میں پھر بھی پچھلے چار سالوں سے اس پہ یہ انمول خزانہ لٹاتا رہا۔ بنا کسی غرض' کسی صلے کے اسے چاہتا رہا مگر اب اور نہیں۔ میں اب اس کی یاد میں مزید ایک لمحہ ضائع نہیں کروں گا' اسی لیے میں نے ماہین سے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔" تنفر سے بولتے ہوئے اس کا لہجہ آخر میں حتمی رنگ اختیار کرگیا۔

"تو آپ... آپ اس لیے ماہین سے شادی کرنے کے لیے راضی ہوگئے ہیں کہ انابیہ..."

"ہاں! جب وہ مجھے فراموش کرکے آگے بڑھ گئی ہے تو میں کیوں اپنا وقت ضائع کروں اس کے پیچھے؛ میرے لیے میرا پندار' میری عزت' میری محبت سے بھی بڑھ کر ہے ثمو۔ مجھے جب تک اس کے راہیں جدا کرنے کا علم نہیں ہوا تھا میں اپنے حصے کی محبت نبھاتا رہا مگر اس کے فیصلے کے بعد اب سب ختم۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے وہ تند لہجے میں بولا تو ثمو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ کے اپنے بھائی کو اس انتہائی قدم سے روکے۔

"پلیز بھائی! یہ نہ کریں۔ ابھی اس کی صرف منگنی ہی تو ہوئی ہے۔ آپ اس سے ایک بار ملیں تو سہی۔ اس سے بات تو کریں۔ بلکہ میں... میں خود اس سے بات کروں گی۔ اسے سمجھاؤں..."

"خبردار! جو تم نے اس سے کچھ کہا یا سمجھایا۔" اس کی بات کاٹتے ہوئے تیمور غضب ناک لہجے میں غرایا۔

"میں اب اس موضوع پہ مزید کچھ نہیں سننا چاہتا' نہ آج اور نہ آئندہ کبھی اور مجھے امید ہے کہ تم میری اس خواہش کا احترام کروگی۔" حتمی لہجے میں کہتے ہوئے تیمور نے رابطہ منقطع کر ڈالا۔

کاش کہ اس کا بھائی جو سمجھ رہا تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے اور یہ سب اس کی محبت میں کررہی ہے' سچ ہوتا اور وہ اتنی ہی پرخلوص اور اچھی بہن ثابت ہوئی ہوتی۔ جتنی کہ وہ سمجھ رہا تھا' اسے

کاش!

☆ ☆ ☆

فون بند کر کے وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔ ڈوبتے سورج کی کمزور کرنیں بے بسی سی بڑھتے ہوئے اندھیرے میں مدغم ہو رہی تھیں۔ بالکل اس کے دل کی طرح۔ جس میں موجود امید کی آخری کرن بجھنے کے بعد اب سوائے اندھیرے اور گھٹن کے اور کچھ نہ بچا تھا۔

اس نے ثمو کو تو دوٹوک الفاظ میں منع کر دیا تھا لیکن اب اس سے اپنے دل کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ جو اس کے اس کٹھور فیصلے کے خلاف سراپا احتجاج بن گیا تھا۔ وہ انابیہ کو دیکھنے اس سے ملنے کے لیے بری طرح بے چین ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی زندگی میں موجود نئے خیال رکھنے والوں کا احساس اسے اندر تک جلا گیا تھا اور یہ جلن اتنی شدید تھی کہ وہ آنکھوں میں پھیلتی نمی کو نہ روک سکا۔ اس کے سامنے پھیلا تاریک منظر آنسوؤں میں ڈولنے لگا تھا اور اس ڈولتے ہوئے منظر میں یکایک پرانے چہرے اور پرانی یادیں ابھرنے لگی تھیں۔ جو بڑی دلفریب، بڑی مسحورکن تھیں۔

☆ ☆ ☆

"انابیہ! تم سوچ بھی نہیں سکتیں کہ تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی سے ہمکنار کیا ہے۔ میرے جذبوں پہ اعتبار کر کے تم نے مجھے میری ہی نظروں میں معتبر کر دیا ہے۔ میں کتنا خوش ہوں، میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔"

انابیہ، احسان کے روبرو کھڑا وہ اپنی پرشوق نگاہیں اس کے گلابی شرمگیں چہرے پہ جمائے ہوئے تھا جبکہ انابیہ کے لیے اس کی وارفتگی اور اپنے اقرار کے بعد اس کا سامنا کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس کی جانب دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ جو بڑے آرام سے آپ سے تم تک کا سفر طے کرتا، اس کے پاس کھڑا تھا۔

"میں نے تم سے اپنی فیلنگز شیئر کی ہیں۔ تم کچھ نہیں کہو گی؟" اس کی جھکی پلکوں کو شرارت سے تکتے ہوئے وہ شوخ لہجے میں بولا۔

"کیا۔ کیا کہوں؟" وہ اٹکتے ہوئے بولی تو تیمور اپنی مسکراہٹ دبا گیا۔

"بڑھتی ہوئی مہنگائی کے بارے میں ہی اظہار خیال کر دو۔" اپنی شرارت چھپائے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

اس درجہ بے تکے اور اچانک مشورے پہ انابیہ نے ہونقوں کی طرح منہ اٹھا کر تیمور کی طرف دیکھا۔

وہ شرارت سے ہنسا تو انابیہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہو گیا۔ بے اختیار ہی اس کے ہونٹ بھی کھل اٹھے۔

"یہ ہوئی نا بات۔ ورنہ اس سے پہلے تو یوں لگ رہا تھا جیسے تم سے اظہار محبت نہیں، بلکہ اقرار جرم کروایا جا رہا ہے۔" تیمور محبت پاش نظروں سے اسے تکتے ہوئے بولا تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔

میری نیت اور میرے جذبوں میں تمہارے لیے سوائے پاکیزگی کے دوسرا کوئی تاثر نہیں اور اگر اللہ نے چاہا تو میں بہت جلد اپنی محبت کی اس پاکیزگی کو نہ صرف تم پہ بلکہ سب پہ واضح کر دوں گا۔" مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اس نے وہیں کیاری سے ایک سفید گلاب توڑ کر انابیہ کی جانب بڑھا دیا۔ اس کا دل یقین کی اس درجہ خوب صورت نشانی پہ کھل اٹھا۔

اپنی لرزتی پلکیں اٹھاتے ہوئے اس نے ایک نظر تیمور کے وجیہہ چہرے پہ ڈالی جہاں اس کے کہے ہر لفظ کی سچائی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھی۔ اگلے ہی پل اس نے نگاہیں جھکاتے ہوئے پھول تھام لیا تو تیمور کا ہاتھ نرمی سے اس کے ہاتھ پہ آن ٹھہرا۔

"تھینک یو انابیہ! تھینک یو فار ایوری تھنگ۔"

اس کے چمکتے چہرے پہ نگاہیں جمائے تیمور نے ایک جذب سے کہا تو انابیہ دھیرے سے مسکراتی اس کی سنہری آنکھوں سے چھلکتی روشنی دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

انابیہ نے تیمور پر یہ بات بھی واضح کر دی تھی کہ وہ اس سے شادی صرف اسی صورت میں کرے گی، جب اس کی فیملی بھی اسے پوری آمادگی کے ساتھ قبول کرے گی کیونکہ وہ اپنی بہن جیسی ڈری سہمی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ نہ ہی وہ خود پہ ان چاہی کا ٹیگ لگوا کر نفرتوں کے سائے تلے زندہ رہنے کا حوصلہ رکھتی تھی۔

اس کی بات پہ تیمور کو ایک بار پھر اپنے انتخاب کی درستگی کا بہت شدت سے احساس ہوا تھا اس نے دل ہی دل میں بہت جلد شیریں بیگم سے اپنی پسند کا ذکر کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر دوسری جانب حالات نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔

مومنہ کے سسرال میں ہونے والی تلخ کلامی کے نتیجے میں احسان صاحب اسے اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔

مگر جب چھٹے روز مومنہ کو طلاق ہونے جیسی بری خبر اسے ملی تھی تب وہ بھی شاکڈ کھڑا رہ گیا تھا۔ کوئی شخص اتنا بے حس اور گھٹیا بھی ہو سکتا ہے، اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

سارے خاندان میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی، جس کے بعد ہر ایک کا ردعمل اس کے اپنے ظرف اور سوچ کے مطابق تھا۔ ان طرح طرح کے رویوں نے احسان صاحب کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خاصے گم صم سے ہو گئے۔ مگر پھر بھی کالج سے واپسی کے بعد ان کا زیادہ وقت مومنہ اور بچوں کے ساتھ یا پھر عصمت جہاں کی دل جوئی میں گزرتا تھا، جنہیں اس ناگہانی کے بعد دل کی تکلیف ہو گئی تھی۔

تیمور چونکہ ان کی ذہنی کیفیت سے باخوبی آگاہ تھا۔ اس لیے اس نے ان سے پڑھنے کا سلسلہ کچھ عرصے کے لیے موقوف کر دیا تھا مگر روز ان کے ساتھ کچھ وقت ضرور گزارتا تھا۔ ان کی ہمت اور ان کا حوصلہ بے مثال تھا۔ اتنی سخت آزمائش جھیلنے کے بعد بھی تیمور نے ان کے لبوں سے شکوے کا ایک لفظ تک نہ سنا تھا۔ ان کی یہ بردباری تیمور کو ان کا قائل کر گئی تھی۔ وہ اس کڑے وقت میں اس کی فیملی کے ساتھ کھڑا تھا۔

اس احساس نے دل سے جڑے اس رشتے کی ایک ڈور روح سے بھی باندھ دی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ رات کا کھانا کھا کے تقریباً ساڑھے دس بجے کے قریب گھر لوٹا تو پورچ میں شیریں بیگم کی گاڑی دیکھ کے خوش گوار حیرت کے زیر اثر تیز قدموں سے چلتا ہوا اندر چلا آیا۔ جہاں لاؤنج میں ماں کے ساتھ بہن کو بھی دیکھ کے اس کی خوشی دوچند ہو گئی۔

وہ ان کی طرف بڑھا تو شیریں نے بھی اٹھ کر بیٹے کو سینے سے لگا لیا، مگر خاصی سرد مہری سے۔ جسے تیمور اپنے دھیان میں محسوس کیے بنا ثمو کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"تم اتنی دیر تک کہاں تھے؟" اس کے برابر بیٹھتے ہوئے انہوں نے جانچتی نظروں سے بیٹے کی جانب دیکھا۔

"نہیں۔۔۔ میں ایک دوست کی طرف تھا۔" وہ لحظے بھر کو رکتے ہوئے بولا تو شیریں بیگم کی آنکھیں بے اختیار ثمو کی آنکھوں سے جا ٹکرائیں۔ انہیں بیٹے کے منہ سے جھوٹ سن کے دکھ کے ساتھ ساتھ غصے نے بھی آن گھیرا تھا۔ جسے انہوں نے بمشکل تمام قابو کیا تھا۔ جبکہ تیمور اپنی دھن میں مسکراتا ہوا بولا تھا۔

"اچھا ہوا آپ لوگ آ گئے۔ میں آپ لوگوں کے بغیر بہت اداس ہو گیا تھا۔"

"اچھا! لگ تو نہیں رہا۔" شیریں بیگم استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں، تو اب کے ان کے انداز نے اسے چونکا دیا۔

"کیا مطلب؟" اس نے ماند پڑتی مسکراہٹ کے ساتھ ماں کی جانب دیکھا۔

"آئی مین! اگر ایسی بات تھی تو تم دو ہفتوں سے آئے کیوں نہیں؟" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں تو تیمور کی مسکراہٹ بھی بحال ہو گئی۔

"نہیں بہت مصروف تھا ممی۔" اس نے سادگی سے

جواب دیا۔
"ایسی بھی کیا مصروفیت کہ انسان ماں، باپ، بہن، بھائی کو ہی بھول جائے۔ آج بھی اگر میں نہ آتی تو نہ جانے تم کتنے دن تک شکل نہ دکھاتے۔" وہ خفگی سے گویا ہوئیں تو تیمور نے ہنستے ہوئے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔
"او کے مدر! آئی ایم سوری۔" اس نے چہرہ آگے کر کے ان کا رخسار چوما تو شیریں بھی مسکرا دیں۔
"چلو! معاف کیا۔ لیکن اب کل تم ہمارے ساتھ اسلام آباد چلو گے۔" وہ اپنے سوچے گئے لائحہ عمل کے مطابق بولیں۔
"تو وے... میں نہ ابھی خود اسلام آباد جاؤں گا اور نہ آپ دونوں کو جانے دوں گا۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا تو شیریں بیگم کی بھنویں تن گئیں۔
"کیوں؟"
"کیونکہ میں نے آپ دونوں کو کسی سے ملوانا ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا تو اس غیر متوقع بات پہ شیریں بیگم کے گرد خطرے کی گھنٹی زور و شور سے بجنے لگی۔ تو بات یہاں تک آ پہنچی تھی۔ بے اختیار ان کی پریشان نظریں ثمرہ کی جانب اٹھی تھیں جو انہیں آنکھوں سے تسلی دیتی بھائی کی جانب پلٹی۔
"لیکن کس سے بھائی؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"اپنی... اپنی پسند سے۔" اس نے ایک لمحے کو رک کر ماں کا چہرہ دیکھتے ہوئے بات مکمل کی تو شیریں بیگم کے لب بھنچ گئے جبکہ ثمرہ بے اختیار خاموش ہو گئی۔
"جب میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم کسی کو پسند کرتے ہو۔ تب تو تم نے انکار کر دیا تھا۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے خفگی سے بولیں۔
"تب ایسا کچھ بھی نہیں تھا اور پھر میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔ کسی کو پسند کرنا کوئی معیوب بات تو نہیں۔"
"غلط نہ سہی، لیکن اچھی بات بھی نہیں کی۔ تم جانتے ہو کہ میں ماہین..."
"لیکن میں ماہین سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ پلیز ممی! کیا آپ میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟" وہ ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے التجائیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا تو شیریں بیگم کی نگاہیں بیٹے کے چہرے پہ ٹھہر سی گئیں۔
وہ آج کل جس جذباتی دور سے گزر رہا تھا، وہاں سمجھانا یا نصیحت کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس سے کسی بھی قسم کی بحث یا زور زبردستی اسے ہاتھ سے گنوانے والی بات تھی اور وہ اتنی بے وقوف نہ تھیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خود سے بد ظن کر کے اسے ہمیشہ کے لیے ایک اجنبی لڑکی کے حوالے کر دیتیں۔ انہیں جو بھی کرنا تھا بہت سوچ سمجھ کے کرنا تھا۔
"کون ہے وہ؟" ان کے سوال پہ تیمور دھیرے دھیرے انہیں احسان صاحب اور انابیہ کے بارے میں بتانے لگا تھا۔
ساری تفصیل سن کے ان کا فشار خون مزید بلند ہو گیا تھا۔ ایک معمولی پروفیسر کی بیٹی اور ان کے اکلوتے نور نظر کی بیوی؟ منہاج مرتضیٰ اور شیریں منہاج کی بہو... ہرگز نہیں۔ اندر ہی اندر ان کا دل جل اٹھا تھا۔ مگر چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔
"ٹھیک ہے! تم اپنے باپ سے بات کر لو۔ اگر وہ مان گئے تو میں تمہارا رشتہ لے جاؤں گی۔" اس کی بات کے اختتام پہ وہ بے تاثر لہجے میں بولیں، تو جہاں ثمرہ ہکا بکا رہ گئی، وہیں تیمور پہ خوش گوار سی بے یقینی چھا گئی۔
"یعنی آپ کو کوئی اعتراض نہیں؟" اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کی طرف دیکھا۔
"نہیں..."
"یو آر گریٹ ماما! آئی لو یو۔" ہاتھ بلند کر کے نعرہ لگاتا وہ ماں کے گلے سے جا لگا تو شیریں نے بھی اسے خود سے لگا لیا۔
"آئی لو یو ٹو۔" ان کی آواز ان کے چہرے کی طرح جذبات سے عاری تھی۔

☼ ☼ ☼

تیمور جس وقت ڈائننگ ٹیبل پہ آیا، ثمرہ اور شیریں بیگم ناشتا شروع کر چکی تھیں۔
"کہاں رہ گئے تھے؟" انہوں نے مقابل رکھی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بیٹے کی جانب دیکھا۔
"میں پاپا سے بات کر رہا تھا۔" وہ الجھا الجھا سا بولا تو شیریں ہاتھ میں پکڑا کپ نیچے رکھتے ہوئے بولیں۔
"کیا کہا انہوں نے؟"
"انہیں کوئی اعتراض نہیں۔" وہ ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو شیریں ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں۔
"ٹھیک ہے! پھر آج شام کو ان کے گھر چلتے ہیں۔" وہ اک گہری سانس لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولیں تو تیمور ایک نظر ماں کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کے رہ گیا۔ جو اس کی محبت میں کتنی خاموشی سے اپنی پسند سے دستبردار ہو گئی تھیں۔ بے اختیار اسے ان پہ ڈھیروں پیار آیا تھا۔ وہ واقعی ایک بے مثال ماں تھیں۔
"لیکن ایک پرابلم ہو گئی ہے۔" وہ بے دلی سے بولا۔
"کیا؟" شیریں نے فکر مندی سے اس کی طرف دیکھا۔
"پاپا کو آج ایک ڈیل کے لیے ایمرجنسی میں دو دن کے لیے کوئٹہ جانا پڑ رہا ہے۔ زاہد صاحب بھی ان کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اپنی غیر موجودگی میں آفس سنبھالنے کے لیے وہ مجھے فوراً اسلام آباد بلا رہے ہیں۔" اس نے منہاج صاحب کے مینیجر کا حوالہ دیا تو شیریں بیگم کے دل میں سکون ہی سکون اتر آیا۔
"پھر اب؟" انہوں نے مصنوعی تفکر سے پوچھا۔
"اب یہ کہ اسلام آباد تو مجھے جانا ہی پڑے گا۔" تیمور نے اک بوجھل سانس فضا کے سپرد کی۔
"تو پھر ہم بھی تمہارے پیچھے ہی نکلتے ہیں۔ یہ کام تو تمہارے بغیر نہیں ہو سکتا۔" اگر اسلام آباد جا کے اس کی ممی کے سر پہ ان کی بھتیجی کا بھوت نئے سرے سے سوار ہو جاتا تو؟... وہ کسی طور اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی رشتہ لے جانے کے لیے اس کی موجودگی لازمی نہیں تھی۔
احسان صاحب اور عصمت بیگم بھی شاید اس بات کو زیادہ پسند کرتے۔
"میرے خیال میں ممی! آپ چلی جائیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔" ہر پہلو پہ غور کرنے کے بعد وہ پر سوچ انداز میں بولا تو شیریں بیگم کی رکی ہوئی سانس بحال ہو گئی۔
ثمرہ اس دوران خاموش تماشائی بنی کبھی ماں اور کبھی بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ اسے فی الحال شیریں بیگم نے کچھ نہیں بتایا تھا۔
"لیکن تم نے ان لوگوں کو تو اطلاع کر دی ہے نا!" وہ چہرے پہ مصنوعی فکر طاری کرتے ہوئے بولیں۔ یوں جیسے انہیں یہ سب گھبراہٹ میں مبتلا کر گیا ہو۔
"نہیں! میں صرف انابیہ کو بتاؤں گا اور آپ بھی وہاں یہ بات مت کیجیے گا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ آپ صرف یہی کہیے گا کہ میرے منہ سے آپ نے ان لوگوں کی اتنی تعریفیں سنیں کہ ملنے چلی آئیں۔" اس نے ماں کو صورت حال سمجھائی۔
"تو کیا تم دونوں کی پسندیدگی کے بارے میں وہ لوگ نہیں جانتے؟" شیریں بیگم کے ہاتھ ترپ کارڈ لگ گیا۔
"نہیں اور آپ بھی اس بارے میں خیال رکھیے گا۔" وہ سنجیدگی سے کہتا سامنے رکھے جوس کی جانب متوجہ ہوا تو شیریں منہاج اثبات میں سر ہلاتی، ایک نئی سوچ میں ڈوب گئیں۔

☼ ☼ ☼

تیمور کی سیٹ کنفرم ہوئی تو شیریں بیگم نے نوکر کے سر پہ کھڑے ہو کے اس کی ہلکی پھلکی پیکنگ مکمل کروائی۔ وہ انابیہ کو فون پہ شام میں اپنی ممی اور بہن کی آمد کے متعلق بتا چکا تھا۔ اس کی اچانک اسلام آباد روانگی کا سن کے وہ تھوڑا پریشان ہوئی تھی مگر تیمور کے تسلی دینے پہ اس کا بے چین دل قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔
نکلنے سے پہلے اس نے شیریں بیگم کے ڈرائیور کو

اچھے طریقے سے پتا سمجھانے کے ساتھ ساتھ مکمل ایڈریس بھی لکھ کر ماں کو دے دیا تھا۔ ان کے کہنے پہ اس نے انابیہ کا موبائل نمبر بھی انہیں دے دیا تھا' تاکہ گھر نہ ملنے کی صورت میں وہ اس سے رابطہ کر سکیں۔

ہر طرف سے مطمئن ہو کے وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ایر پورٹ کے لیے نکلا تھا۔ اسے اتنا تو یقین تھا کہ احسان صاحب اس کا پرپوزل کبھی بھی رد نہیں کریں گے لیکن پھر بھی اس کے اعصاب پہ ہلکی ہلکی سی گھبراہٹ سوار تھی۔ دل میں ہوتی خوش گوار سی ہلچل اور آنکھوں میں خوش رنگ خواب لیے وہ لاہور کی فضاؤں کو خیر باد کہہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں تھی۔ مطلوبہ کالونی تک پہنچنے میں ڈرائیور کو کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ان کی گاڑی کالونی کا بڑا سا گیٹ عبور کرتی شیریں بیگم نے ڈرائیور کو روک دیا۔

"ایک منٹ! میں ذرا کنفرم کرلوں۔"

انہوں نے موبائل میں فیڈ انابیہ کا نمبر ملاتے ہوئے فون کان سے لگایا ثمرہ کی آنکھیں ماں پہ جمی تھیں۔ جن کے چہرے پہ پھیلا تنفر اس کی نظروں سے چھپا نہیں تھا۔

"ہیلو!" تین بیلوں کے بعد دوسری طرف سے ایک شائستہ سی آواز سنائی دی تو شیریں بیگم کے چہرے کے تاثرات سرعت سے تبدیل ہو گئے۔

"ہیلو! انابیہ بول رہی ہو؟" انہوں نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

"جی۔" انابیہ نے انجان آواز کو پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! میں تیمور کی ممی بات کر رہی ہوں۔" وہ حلاوت سے بولیں تو انابیہ کا دل دھڑک اٹھا۔

"السلام علیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام بیٹا! ہمیں تمہارا گھر نہیں مل رہا تھا۔ اس لیے پلیز ذرا راستہ سمجھا دو۔"

"ضرور..... آپ اس وقت کہاں ہیں؟" اس نے رسان سے پوچھا تو شیریں بیگم نے پانچ' چھ منٹ پہلے گزرنے والے چوک کا نام بتایا۔ ان کے جواب پہ انابیہ تو انہیں آگے کا راستہ سمجھانے لگی تھی لیکن گاڑی میں موجود ثمرہ نے چونک کر ماں کو دیکھا تھا' بلکہ آگے بیٹھے ڈرائیور نے بیک ویو مرر سے انہیں دیکھا تھا' جو نہ جانے کیوں غلط بیانی کر رہی تھیں۔

چند منٹ اس سے بات کرنے کے بعد انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔ "پانچ' دس منٹ یہیں رکو' پھر آگے چلنا۔" انہوں نے موبائل پرس میں رکھتے ہوئے ڈرائیور کو ہدایت جاری کی تو وہ اپنی حیرت کو دبائے اثبات میں سر ہلا گیا۔

تقریباً" سات' آٹھ منٹ گزرنے کے بعد ان کی ہدایت پہ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھائی اور اگلے چند ہی لمحوں میں وہ پروفیسر احسان فاروق کے بیلوں سے ڈھکے چھوٹے سے بنگلے کے باہر کھڑے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تو آپ کا گھر کبھی نہ ملتا۔ اگر تیمور نے مجھے انابیہ کا نمبر نہ دیا ہوتا۔" ڈرائنگ روم میں سب کے درمیان بیٹھی شیریں بیگم نے مسکراتے ہوئے سادہ سے لہجے میں کہا تو جہاں ایک لمحے کو سب خاموش ہو گئے۔ وہیں انابیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اسے تیمور پہ جی بھر کے غصہ آیا تھا۔

"تیمور نے؟" احسان صاحب نے الجھی الجھی مسکراہٹ لیے ایک نظر انابیہ کو دیکھتے ہوئے بیگم منہاج کی جانب دیکھا۔

"جی تیمور نے جب انابیہ کو میری آمد کے متعلق بتایا تھا' میں نے تب ہی اس سے کہا تھا کہ مجھے انابیہ کا نمبر دے دو تاکہ اگر مجھے ایڈریس کے معاملے میں کوئی مسئلہ ہو تو میں پوچھ سکوں۔ اور دیکھیں وہی ہوا۔" اپنے سابقہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولیں تو احسان صاحب کے ساتھ ساتھ مومنہ اور عصمت جہاں کو بھی سانپ سونگھ گیا۔ جبکہ انابیہ کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی تھی۔

بے اختیار ان سب کی نگاہیں ایک جانب بیٹھی انابیہ کی طرف اٹھی تھیں جو متوحش سی انگلیاں چٹخاتی نظریں جھکا گئی تھی۔

"اور بیٹا آپ کے ہزبینڈ کیا کرتے ہیں؟" شیریں بیگم نے ہوشیاری سے اگلا پتا پھینکا' حالانکہ تیمور انہیں مومنہ کی طلاق کے بارے میں بتا چکا تھا۔ اس کے سوال پہ احسان صاحب اور عصمت بیگم سمیت انابیہ نے بھی چونک کر مومنہ کی جانب دیکھا تھا۔ جس کا چہرہ یک لخت پھیکا پڑ گیا تھا۔

"آنٹی! میری حال ہی میں اپنے ہزبینڈ سے علیحدگی ہو گئی ہے۔" وہ بوجھل لہجے میں گویا ہوئی تو شیریں بیگم نے جھٹ چہرے پہ افسردگی طاری کر لی۔

"اوہ" آئی ایم سوری۔ ویسے بیٹا! آپ کی شادی اپنوں میں ہوئی تھی یا غیروں میں؟" انہوں نے بات کو اپنے مقصد کی طرف موڑا۔ "غیروں میں آنٹی۔" وہ گلوگیر لہجے میں دھیرے سے بولی تو شیریں بیگم تاسف سے سر ہلاتے ہوئے عصمت جہاں سے مخاطب ہوئیں۔

"یہی تو فرق ہوتا ہے اپنوں میں اور غیروں میں۔ میری تو خود بڑی خواہش تھی کہ میں اپنے بچوں کی شادی اپنوں میں کرتی مگر۔" انہوں نے قصداً" بات کو ادھورا چھوڑا تو عصمت بیگم ناسمجھی سے بولیں۔

"مگر کیا؟ آپ اب بھی تو اپنی خواہش پوری کر سکتی ہیں۔"

"کہاں' جب بچے اپنی من مانیوں پہ اتر آئیں تو ماں باپ کو مجبوراً" ان کی خواہشات کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔" وہ ایک نظر انابیہ پہ ڈالتے ہوئے بولیں تو مسلسل خاموش بیٹھے احسان فاروق سے ان کی یہ شکایتی نظر چھپی نہ رہ سکی۔ جس نے نہ صرف ان پہ بیگم منہاج کے جملے کا مفہوم بلکہ وہ سب بھی واضح کر دیا جو نجانے کب سے ان کی ناک کے نیچے چل رہا تھا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی تھی۔ اور جس کی اطلاع انہیں ایک تیسرے بندے کے ذریعے مل رہی تھی۔ کسی کو پسند کرنا ان کے نزدیک معیوب نہ تھا لیکن اس طرح کہ ماں باپ کو لاعلم رکھ کر بات اتنی بڑھا لی جائے کہ اگلے رشتہ لینے چلے آئیں اور ماں باپ ہونقوں کی طرح ان کے منہ سے اپنے بچوں کے کارنامے سنیں۔ یہ ان کے نزدیک ناقابل برداشت ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد دکھ اور شرمندگی کا باعث بھی تھا۔ ان کی تلخ نگاہیں عصمت جہاں کی حیران پریشان آنکھوں سے ٹکرائیں تو وہ بے اختیار لب کاٹ کر رہ گئیں۔ دوسری طرف انابیہ شرمندگی کے مارے سر نہیں اٹھا رہی تھی۔

تیمور نے تو کہا تھا کہ اس کی فیملی کو اس کی پسند پہ کوئی اعتراض نہیں' پھر اس کی ممی یہ کیا کہہ رہی تھیں؟ کیا وہ محض بیٹے کی خواہش میں مجبور ہو کے یہاں تک آئی تھیں؟ کیا اس پہ بھی مومنہ کی طرح ناپسندیدہ بہو کا لیبل لگنے والا تھا اور وہ بھی شادی سے پہلے ہی؟ تو کیا تیمور نے اس سے جھوٹ بولا تھا؟

"خیر! اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔" شیریں بیگم نے ایک بوجھل سانس لی۔ "اب تو ویسے بھی صرف ایک فارمیلٹی ہے' جو ہمیں نبھانی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے احسان صاحب کی طرف دیکھنے لگیں۔ جو ان کی بات پہ سختی سے لب بھینچ گئے۔

ان کے تیور اور آنکھوں سے جھلکتی خفگی انابیہ کا حلق خشک کر گئی تھی تھے۔ بے قراری سے پہلو بدلتے ہوئے اس نے مومنہ کی جانب دیکھا تھا۔ مگر اسے انتہائی خشمگیں نظروں سے اپنی جانب تکتا پا کے وہ غلط نہ ہوتے ہوئے بھی آنکھیں چرانے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

"آپ کس فارمیلٹی کی بات کر رہی ہیں؟" احسان صاحب کی سپاٹ آواز انابیہ کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے۔

"میں تیمور اور انابیہ کی بات کر رہی ہوں۔ میں آپ سے انابیہ کا رشتہ مانگنے آئی ہوں اپنے بیٹے تیمور کے لیے۔" انہوں نے اچھی خاصی بنیاد بنانے کے بعد اب کے واضح الفاظ میں اپنا مدعا بیان کیا تو کمرے میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ جسے محسوس کرتے ہوئے

ان کا دل خوشی سے کھل اٹھا۔ جبکہ تماشائی بنی بیٹھی ثمو ماں کی بچھائی گئی بساط کو دیکھتے ہوئے عش عش کر اٹھی۔

"اگر میں یہ کہوں کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں تو؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد احسان فاروق کا حسب توقع جواب موصول ہوا تو شیریں بیگم کے لبوں پہ ایک استہزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"تو میں یہ کہوں گی کہ آپ اپنی بیٹی اور بیوی سے پوچھ لیں جو تمام معاملات طے کیے بیٹھی ہیں۔" ان کی بات پہ جہاں احسان فاروق نے بے یقینی سے عصمت بیگم کی جانب دیکھا تھا' وہیں انابیہ اور عصمت جہاں نے اس الزام پہ تڑپ کر شیریں بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ... یہ... آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" عصمت جہاں کا تو چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"پلیز بہن! شیریں بیگم نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہیں ٹوکا۔ "تیمور نے مجھے خود بتایا ہے کہ آپ کو نہ صرف اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ آپ تو ان دونوں کی ملاقاتیں بھی کرواتی رہی ہیں۔ سیر سپاٹے کراتی رہی ہیں ان دونوں کے۔"

"کیا؟" عصمت جہاں کا تو منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ جبکہ انابیہ کی تو "کاٹو بدن میں لہو نہیں" والی کیفیت ہو چلی تھی۔ اس نے بھلا کب تیمور کے ساتھ باہر ملاقاتیں کی تھیں؟

"یہ... یہ... جھوٹ ہے۔ تہمت ہے۔ تیمور میرے بارے میں" انہوں نے ایک روز قبل اتفاقی طور پر عصمت بیگم' انابیہ اور تیمور کو ڈاکٹر کے پاس سے آتے ہوئے دیکھ لینے پر صورت حال کو اپنے حق میں استعمال کیا مگر انابیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔" اتنی غلط بیانی نہیں کر سکتا۔" اس کی آنکھیں لبالب بھر آئی تھیں۔

"تو تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ یہ سب میں اپنی طرف سے کہہ رہی ہوں؟" انہوں نے یک لخت تیوریاں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "چلو اچھا! تو پھر مجھے ایک بات بتاؤ۔ مجھے یہ کیسے پتا چلا کہ کل شام تم [...] اس کے ساتھ آئس کریم کھانے گئی تھیں؟" [...] انداز میں بولیں۔

"یہ بات انہیں کیسے پتا چلی؟" سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس نے خود سے سوال [...] اور جو جواب آیا تھا اس نے اس کے مان اور [...] کرچیاں بکھیر ڈالی تھیں۔ جبکہ عصمت جہاں کا [...] بے اختیار ان کے سینے پہ آ ٹھہرا تھا۔

"مگر آنٹی! کل شام تو وہ مجبورا" امی اور انابیہ کو [...] کے پاس لے کر گیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ تنہا [...] پھرنے نہیں گئی تھیں۔" ان دونوں کو بت بنا دیکھ [...] مومنہ تیزی سے بولی تو شیریں بیگم تلخ [...] مسکرا دیں۔

"اب یہ تو آپ لوگ جانیں یا آپ لوگوں کا ایمان [...] اس نے تو مجھے صرف آئس کریم پارلر جانے [...] بارے میں بتایا تھا۔ اور معذرت کے ساتھ [...] سب آپ کے نزدیک اتنا ہی معیوب ہے جتنا کہ [...] اس وقت ظاہر کر رہی ہیں تو آپ اس کے ساتھ [...] کیوں تھیں؟ بلکہ آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ [...] رشتے سے آپ لوگوں نے اسے اپنا نوکر بنا [...] ہے؟ کیا آپ ماں بیٹیاں اپنے گھر میں آنے والے [...] کو یونہی اپنی انگلیوں پہ نچاتی ہیں؟ کیا شریفوں کے [...] طور طریقے ہوتے ہیں؟" عصمت بیگم کی پتھرائی [...] آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ خوش اخلاقی [...] پھینک کے اپنے اصل پہ اتر آئیں تو ساکت بیٹھی [...] سکتہ جیسے ٹوٹ گیا۔

"مسز منہاج! بہت ہو گیا۔ آپ کو کسی نے [...] نہیں دیا کہ آپ میرے ماں' باپ کی اس درجہ [...] کریں۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کی اور اپنی عمر [...] فرق کو بھول جاؤں۔ آپ ابھی اسی وقت ہمارے [...] سے تشریف لے جائیں۔" غصے سے کانپتی ہوئی [...] جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تو شیریں بیگم کا چہرہ [...] غضب کے سرخ ہو گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے [...] ہوئیں تو وہاں موجود سب ہی' نفوس بھی [...]

ہو گئے۔

"تم دو ٹکے کی آوارہ لڑکی! تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ اتنا ہی پارسائی کا دعوا ہے تو اپنی جوانی اور اپنی نیت کو سنبھال کر رکھو۔ ارے! یہ تو میری اپنے بیٹے سے محبت تھی جو میں ہر بات نظر انداز کیے تم جیسے گھٹیا لوگوں سے رشتہ جوڑنے چلی آئی تھی۔ ورنہ تم جیسی راہ چلتی تو اس قابل بھی نہیں کہ ہم میں سے کوئی تم پہ ایک نگاہ غلط بھی ڈالے' سمجھیں!" وہ اپنا پرس اٹھائے ثمو کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئیں اور پیچھے کھڑے نفوس پہ موت کا سناٹا چھا گیا۔

"مومی! مومی بیٹا۔" یک لخت عصمت جہاں کی کراہ نے کمرے کی ساکت فضا میں ارتعاش سا برپا کیا تو تینوں نے بیک وقت گھبرا کے ان کی جانب دیکھا جو سینہ ملتے ہوئے صوفے پہ گرتی چلی گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟" فون کان سے لگائے تیمور کے لیے اپنی سماعتوں پہ یقین کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"بھائی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ انابیہ نے ممی کی انسلٹ کی اور ہمیں صاف لفظوں میں اپنے گھر سے نکل جانے کے لیے کہا۔" ثمو نے لہجے میں رقت طاری کرتے ہوئے ماں کے بتائے ہوئے ڈائیلاگز دہرائے تیمور کے لیے اس بات کو ماننا ناممکن ہو گیا تھا۔

"مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟" وہ مضطرب سا بولا تو ثمو اپنا سابقہ لہجہ قائم رکھتے ہوئے بولی۔

"بھائی! جب ممی نے احسان انکل سے آپ دونوں کے رشتے کی بات کی تو انہوں نے فورا" معذرت کر لی کہ وہ اپنی بڑی بیٹی کے ساتھ ہونے والے واقعے کے بعد انابیہ کا رشتہ غیروں میں نہیں کرنا چاہتے۔ اس پہ ممی نے انہیں سمجھانے کے لیے کہا کہ آپ یوں فوری انکار نہ کریں اور ایک بار اپنی بیٹی سے بھی پوچھ لیں۔ اس پہ انکل کہنے لگے کہ آپ کا کیا مطلب ہے' میری بیٹی آپ کے بیٹے کے ساتھ انوالو ہے؟ ممی نے کہا کہ خدانخواستہ میں نے ایسا کب کہا۔ مگر یہ بچوں کی زندگی کا معاملہ ہے۔ آپ اگر فیصلہ کرنے سے پہلے اس سے بھی پوچھ لیں گے تو کوئی بری بات نہیں ہو گی۔ اس پہ انکل کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں کہ میری بیٹی کا فیصلہ بھی مجھ سے الگ نہیں ہو گا اور جب انابیہ کو بلا کر انکل نے پوچھا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ جیسی آپ کی مرضی۔" ثمو سانس لینے کو رکی تو تیمور جو انابیہ کی تابعداری سے بخوبی واقف تھا' بے اختیار لب بھینچ گیا۔

"پھر ممی کو بھی غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا کہ تم سوچ سمجھ کر تو کہہ رہی ہو نا؟ تو انابیہ بولی کہ میری زندگی کا فیصلہ میرے ماں' باپ کریں گے۔ پھر ممی نے بھی کہہ دیا کہ میرے بیٹے کو جھوٹی آس کیوں دلائی تھی؟ یہ بات سن کے تو انابیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا' کہنے لگی کہ آپ اتنی بڑی تہمت مجھ پہ کیوں لگا رہی ہیں۔ آپ کو کسی نے یہ حق نہیں دیا۔ اب اگر آپ نے میرے کردار کے متعلق ایک لفظ بھی کہا تو میں آپ کی اور اپنی عمر کے فرق کو بھول جاؤں گی۔ اس لیے پلیز آپ ابھی اسی وقت ہمارے گھر سے تشریف لے جائیں۔" ثمو نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بات ختم کی تو دوسری طرف موجود تیمور پہ سناٹا چھا گیا۔

"اپنے ماں' باپ کا اتنا خیال کہ ان کی عزت پہ ایک حرف نہیں آنے دیا اور اس کی محبت؟ اس کی ماں کی عزت؟" وہ درد کے طوفان میں گھرا تلخ سوچوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

"ہیلو... ہیلو بھائی!" ثمو کے پکارنے پہ وہ اک بوجھل سانس لیتا جیسے خود میں لوٹ آیا تھا۔

"ممی کہاں ہیں؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"انہیں میں نے سلیپنگ پلز دے کر سلا دیا ہے۔" وہ بوجھل لہجے میں بولی تو شیریں بیگم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"ٹھیک ہے' میں تم لوگوں کی کل کی ٹکٹس کروا رہا ہوں۔ اصغر سے کہو کہ وہ تم لوگوں کو ایئرپورٹ ڈراپ

کر کے خود بائے روڈ اسلام آباد پہنچ جائے۔" اس نے آن واحد میں فیصلہ کرتے ہوئے کہا تو ثمرو نے ماں کو دیکھتے ہوئے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنایا۔

"ٹھیک ہے بھائی! اپنا خیال رکھیے گا' اللہ حافظ۔" اس نے دھیرے سے کہتے ہوئے فون بند کر دیا تو شیریں نے قہقہہ لگاتے ہوئے بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ انہیں اب اتنی سی بھی پروا نہ تھی کہ تیمور' انابیہ کو فون کرتا یا نہیں' کیونکہ انہوں نے بدگمانی کے ایک نہیں' بہت سے بیج بوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ثمرو کا فون بند کرتے ہی تیمور نے کھولتے دماغ کے ساتھ انابیہ کا نمبر ملایا تھا مگر تین' چار بیلوں کے بعد ہی اس کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔ اگر ثمرو جھوٹی ہوتی تو انابیہ ضرور اس کا فون اٹینڈ کرتی۔

لب بھینچے اس نے نمبر ری ڈائل کیا تو اب پہلی بیل پر ہی اس کی کال منقطع کر دی گئی تھی۔

کنپٹی میں ٹھوکریں مارتے خون کے ساتھ اس نے جیسے جنون کی کیفیت میں انابیہ کا نمبر تیسری بار ملایا تھا۔ مگر اب کی بار پاور آف کی ریکارڈنگ نے اس کا دماغ حقیقتاً" گھما ڈالا تھا۔

اگلے ہی لمحے اس نے ہاتھ میں پکڑا موبائل پوری طاقت سے دیوار پہ دے مارا۔

☼ ☼ ☼

تیمور اور شیریں بیگم کا سامنا اگلے روز کہیں رات کے وقت جا کے ہوا تھا۔ وہ سارا دن آفس میں گزار کر آیا تھا اور شیریں سارا دن ذہن میں مختلف جملے ترتیب دیتی رہی تھیں۔ مگر آمنا سامنا ہونے پہ اس نے ماں سے سوائے رسمی بات چیت کے ایک لفظ تک نہیں کہا اور اس دوران بھی وہ مسلسل ان سے نظریں چرائے ہوئے تھا۔ وہ حقیقتاً" ان سے بے حد شرمندہ تھا اور شیریں اس کی یہ کیفیت بخوبی سمجھ رہی تھیں۔ انابیہ نے انہیں از خود گھر سے جانے کا کہہ کے ان کی

پوزیشن ان کے بیٹے کے سامنے اور بھی مضبوط کر دی تھی۔

"تیمور! ادھر دیکھو میری طرف۔" اسے اٹھ کے جانے کے لیے پر تولتا دیکھ کے وہ بے حد نرمی سے بولیں تو وہ نظریں جھکائے بے اختیار اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبا گیا۔

"تمہیں اگر مجھ سے کوئی گلہ ہے تو بیٹا! کس روز میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گی میری جان۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ محبت سے گویا ہوئیں تو تیمور کی نظریں اپنے ہاتھ پہ جمے ان کے مشفق ہاتھ پہ ٹھہریں۔

اگلے ہی لمحے اس نے ان کا ہاتھ تھام کے لبوں سے لگا لیا۔

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ ان فیکٹ آئی ایم رئیلی ویری سوری۔" دھیرے سے کہتا وہ کمرے سے نکل گیا۔

منہاج مرتضیٰ کے آنے پر بھی اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ سب کا اب یہی اصرار تھا کہ وہ اپنی ایس ایس کی ضد چھوڑ کے یہاں اپنا بزنس سنبھالے۔ اس نے کسی کی بھی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور واپس لاہور چلا آیا۔ اس کے لاہور جانے پہ شیریں کو تھوڑی پریشانی ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ قوی امکان اس بات کا تھا کہ اب احسان فاروق شاید ہی کبھی اسے اپنے گھر میں آنے دیں۔

لاہور پہنچ کر وہ ایئرپورٹ سے سیدھا احسان صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوا تھا۔

لیکن جوں ہی اس کی نظر سامنے موجود منظر پہ پڑی وہ اپنا تمام تر غصہ بھلائے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

کھلے ہوئے گیٹ سے اندر لگی قناتیں اور آتے جاتے لوگ صاف نظر آ رہے تھے۔ پورچ میں ایک طرف رکھی دیگیں اور برتنوں کے ڈھیر بھی وہ باآسانی دیکھ سکتا تھا۔ کچھ غلط ہونے کا احساس اس کے اندر بڑی تیزی سے جاگا تھا۔ جس کے زیر اثر وہ بڑی بے

قراری سے کھلے گیٹ سے اندر چلا آیا تھا۔

پریشانی سے اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے اس نے احسان صاحب کو تلاشنا چاہا تھا مگر انہیں کہیں نہ پا کے اس نے پاس سے گزرتے ایک لڑکے کو آواز دے کر روک لیا تھا۔

"یہ یہاں..." اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو وہ بے اختیار خاموش ہو گیا۔ لیکن مقابل اس کی بات سمجھ گیا تھا۔

"پرسوں احسان انکل کی وائف کا انتقال ہو گیا ہے' آج ان کا قل ہے۔"

"کیا' لیکن کیسے؟" وہ حیرت زدہ سا بولا۔ دکھ اور بے یقینی اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"نہیں ہارٹ پرابلم تھی۔ اچانک ہارٹ اٹیک ہوا تو گھر والے انہیں اسپتال لے گئے۔ اگلی صبح ان کا انتقال ہو گیا۔"

"احسان صاحب کہاں ہیں؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے بوجھل لہجے میں پوچھا۔

"وہاں لان میں... مردوں کے بیٹھنے کا وہیں انتظام ہے۔" وہ اسے بتا کے آگے بڑھ گیا۔

دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا وہ ان کے قریب چلا آیا۔ احسان صاحب اس پہ نظر پڑتے ہی بالکل خاموش ہو گئے۔ اسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لیے جھکتا دیکھ کے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو تیمور بھی ان کے چہرے پہ نگاہیں جمائے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا' وہ اس کے قریب سے گزر کے لان سے باہر نکل گئے۔

"سر! پلیز میری بات سنیں۔" وہ جوتے پہنے بغیر ان کے پیچھے لپکا تھا۔ "سر پلیز..."

"کیوں آئے ہو یہاں؟" وہ یک لخت پلٹ کر اس پہ برسے تو تیمور لحظے بھر کو خاموش ہو گیا۔ "بولتے کیوں نہیں؟" سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے وہ دبے دبے سے غرائے تو شکور کو ساتھ لیے باہر آتی انابیہ ان کی آواز سن کے متعجب سی ان کی سمت بڑھی۔ لیکن جوں ہی اس کی نگاہ ان کے مقابل کھڑے تیمور سے ٹکرائی وہ اپنی جگہ پہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

"آیا تو آپ لوگوں سے بہت سے شکوے' شکایات کرنے کے لیے تھا۔ لیکن یہاں آ کر پتا چلا کہ..." وہ قصداً" بات ادھوری چھوڑ کے نظریں جھکا گیا تو احسان صاحب تلخ لہجے میں بولے۔

"پتا چل گیا نا! اب یہاں سے جاؤ اور جا کر اپنی ماں کو مبارک باد دو' جس کی بدولت آج ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔"

"آپ زیادتی کر رہے ہیں سر! میری ماں کا بھلا آنٹی کے انتقال سے کیا تعلق؟" وہ ناگواری سے بولا تو احسان فاروق کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"کاش! کہ یہ گھر لوگوں سے بھرا نہ ہوتا تو میں تمہیں بتاتا کہ تمہاری ماں کا عصمت کے انتقال سے کیا تعلق ہے۔"

"پلیز بابا! ہمیں ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔" دفعتاً" انابیہ نے پیچھے سے آ کے ان کے بازو پہ ہاتھ رکھا تو وہ دونوں چونک گئے۔ بے اختیار تیمور کی نظریں انابیہ کی جانب اٹھی تھیں۔

"سن لیا تم نے۔ اب جاؤ یہاں سے اور دوبارہ کبھی یہاں قدم مت رکھنا۔" انہوں نے انگلی اٹھائے اسے تنبیہہ کی تو انابیہ کی بیگانگی پہ اس کا ضبط بھی جواب دے گیا۔

"ٹھیک ہے! میں دوبارہ نہ تو آپ لوگوں کو اپنی صورت دکھاؤں گا اور نہ ہی آپ سے کوئی تعلق رکھوں گا لیکن اسے میری ریکویسٹ سمجھیں یا ضد کہ میں اس وقت انابیہ سے بات کر کے جاؤں گا۔" وہ ایک سرد نظر انابیہ کے جھکے چہرے پہ ڈال کر قطعی لہجے میں احسان صاحب سے بولا۔

"آؤ۔" وہ انابیہ کا ہاتھ تھامے اپنی اسٹڈی کی جانب بڑھ گئے۔ تیمور بھی ان کے پیچھے چلا آیا۔

"کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں ہر بات بھلا کر نئے سرے سے ٹوٹا تعلق جوڑنا

چاہتا ہوں۔"

"مگر مجھے یہ غلطی دوبارہ نہیں کرنی۔" انابیہ کی سرد آواز اسٹڈی کی خاموشی میں گونجی تو تیمور بے یقینی سے اس کی طرف پلٹا۔

"تم اپنے اور میرے رشتے کو غلطی کہہ رہی ہو؟" اس کی آنکھوں میں دکھ کی کیفیت بڑی واضح تھی۔

"نہیں! میں اپنی پرکھ کو اپنے فیصلے کو غلطی کہہ رہی ہوں۔ رشتہ تو ہمارے درمیان کبھی کوئی تھا ہی نہیں۔"

"اور وہ رشتہ کیا ہوا جس کی بنیاد ہم نے عزت اور اعتبار پہ رکھی تھی؟"

"وہ اسی روز اپنی موت آپ مر گیا تھا جس دن اس عزت اور اعتبار کی دھجیاں بکھیریں تھیں آپ نے۔"

"اپنی جان سے بھی بڑھ کے حفاظت کی ہے میں نے تمہارے اعتبار کی۔ ہاں لیکن تم نے میرے مان کو میری ماں کے آگے شرمندہ کردیا۔ تم ایک اچھی بیٹی تو بن گئیں، لیکن تم نے میری محبت کے ساتھ بہت ناانصافی کی ہے انابیہ!" وہ اسے انتہائی دکھ سے دیکھتے ہوئے بولا تو انابیہ کے چہرے پہ پچھتاوے کے رنگ پھیل گئے۔

"کاش! کہ میں ایک اچھی بیٹی ثابت ہوئی ہوتی تو آج میرے دل پہ اتنا بوجھ نہ ہوتا لیکن شاید یہ میرے کیے کی سزا ہے۔ اس کیے کی جو میں نے ایک جھوٹے مرد کی کھوکھلی باتوں پہ یقین کرکے کیا۔ جو اتنا خود غرض ہے کہ اسے آج بھی درد ہے تو صرف اپنی ماں کا، اپنی محبت کا۔" وہ اسے تنفر سے دیکھتے ہوئے بولی۔

تیمور اس کے شفاف چہرے پہ اپنے لیے اس درجہ بے اعتباری دیکھ کے ساکت کھڑا رہ گیا۔ جبکہ اس کے احساسات سے بے خبر انابیہ اسی زہرخند لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"کتنا مختلف سمجھا تھا میں نے عادل حسن سے آپ کو۔ مگر آپ تو اس سے بھی بڑھ کے کمزور نکلے۔ اس نے اور اس کے خاندان نے جو کچھ بھی کیا، سب کے سامنے کیا۔ لیکن آپ نے تو عزت کا دعوے دار بن کے ہمیں بے عزت کیا۔ جان لے لی میری ماں کی۔ اس سب کے بعد آپ نے سوچا بھی کیسے کہ میں آپ میں سے کسی کو معاف کردوں گی؟ آپ کی ماں کی باتیں میرے دل پہ لکھی ہیں۔"

"کون سی باتیں؟ کیا کہہ دیا تھا انہوں نے تمہیں؟ یہی نا کہ میرے بیٹے کو جھوٹی آس کیوں دلائی تھی؟ اور تم نے ہم نے کیا کہا؟"

خشمگیں نظروں سے اسے دیکھتا وہ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔ "تم نے انہیں کہا کہ اگر آپ نے مزید ایک لفظ بھی کہا تو میں آپ کی اور اپنی عمر کے فرق کو بھول جاؤں گی۔ تم نے میری ماں اور بہن کو اپنے گھر سے نکال دیا۔"

"بالکل ٹھیک کیا۔ وہ اسی قابل تھیں۔" اور تیمور جو اس کے منہ سے کسی بھی قسم کی تردید یا صفائی سننے کا خواہشمند تھا۔ اس درجہ ڈھٹائی پہ شاکڈ کھڑا رہ گیا۔ یہ انابیہ احسان کا کون سا روپ تھا۔

"اپنے ماں، باپ کا اتنا خیال کہ ان کے سامنے میرا حوالہ تمہیں سننا تک منظور نہیں۔ کیونکہ ان کی عزت، عزت ہے اور میری ماں، میری بہن کی کوئی عزت نہیں؟ تمہیں معلوم بھی ہے میں نے انہیں کتنی مشکل سے اس رشتے کے لیے راضی کیا تھا؟" تیمور نے اسے دکھ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہونہہ! جانتی ہوں آپ کی جھوٹی سچی داستانیں۔ جو آپ نے اپنا مقصد پانے کے لیے گھڑی تھیں۔"

"اتنی نفرت، اتنی بے یقینی۔" حیرت کی زیادتی کے باعث وہ پل بھر کو خاموش ہوگیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ مزید اس سے کیا کہے۔ "مجھے واقعی تم سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ کم از کم میری خوش فہمی تو قائم رہتی۔" اپنے دل میں اٹھتی ٹیس کو دباتے ہوئے تیمور نے اس دشمن جاں کی طرف دیکھا تھا۔

"لیکن ایک بات یاد رکھنا انابیہ! جدائی کا یہ فیصلہ تمہارا ہے، میرا نہیں۔ چونکہ میں نے تمہیں زبان دی تھی کہ تمہارا ہر فیصلہ میں بخوشی قبول کروں گا۔ اس لیے میں تمہاری خواہش پہ اپنی خواہش سے دستبردار ہوتا ہوں۔ میں ہمیشہ کے لیے خود کو تمہاری زندگی سے بے دخل کرتا ہوں۔" ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی بات مکمل کرتا وہ ایک آخری نظر اس کے اجنبی وجود پہ ڈالتا وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

شیریں بیگم کا سارا دن شدید اضطراب کے عالم میں گزرا تھا۔ ایک لمحے کو بھی ان کا دھیان تیمور کی جانب سے نہیں ہٹا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد اسے کال کیا تھا اور تیمور جو آج سارا دن شدید ڈپریشن کے عالم میں رہا تھا، ماں کی آواز سن کے بری طرح بے چین ہو گیا تھا۔

"تیمور! کیا بات ہے بیٹا۔ تم اتنے الجھے ہوئے سے کیوں ہو؟"

"نہیں۔۔۔ میں آج انابیہ کی طرف گیا تھا۔" وہ لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد دھیرے سے بولا تو شیریں کا دل دھک سے رہ گیا۔ جبکہ دوسری طرف وہ ان کی کیفیت سے انجان بوجھل لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"اس کی امی کا انتقال ہوگیا ہے۔ آج ان کا سوئم تھا۔" اور شیریں کو لگا تھا جیسے کسی نے ان کی اتنی محنت پہ پانی پھیرنے کی اطلاع دے دی ہو۔ "تیمور تو یقیناً جذباتی ہو کے ہر بات بھلانے کو تیار ہو گیا ہوگا۔"

"اوہو۔۔۔ تمہاری ملاقات ہوئی ان لوگوں سے؟" انہوں نے ہوشیاری سے مطلب کی بات پوچھی۔ تو تیمور کے لبوں سے اک سرد آہ نکل گئی۔

"جی۔۔۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ نہ ہی ملا ہوتا تو اچھا تھا۔"

"کیوں؟" اس کی بات پہ شیریں کا سارا جسم کان بن گیا تھا۔ جبکہ تیمور انہیں بوجھل لہجے میں ساری بات بتاتا چلا گیا تھا۔ جس کے اختتام پہ شیریں بیگم پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔

"کیا؟ وہ اپنی ماں کی موت کے لیے ہمیں ذمے دار ٹھہرا رہی ہے؟ اسے اتنا بڑا الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آئی؟" وہ مکاری سے بولیں تو تیمور اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"اچھا ممی! پھر بات کروں گا، اللہ حافظ۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"اللہ حافظ میری جان، اپنا خیال رکھنا!" انہوں نے دل گرفتی سے کہتے ہوئے رابطہ منقطع کرتے ہوئے فون ایک جانب پٹخا تھا اور لپک جھپک ثمرہ کے کمرے کی جانب بڑھی تھیں۔

مسکراتے لہجے میں انہوں نے پوری بات اس کے گوش گزار کی تھی۔ لیکن اپنی کامیابی کی دھن میں وہ ثمرہ کی خاموشی اور اس کے چہرے پہ پھیلتا ملال نہیں دیکھ سکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

دن، مہینوں میں اور مہینے، سالوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے تھے۔ اس دوران ثمرہ کی شادی ہوگئی تھی۔ مگر شیریں بیگم، تیمور کو ماہین کے لیے قائل نہ کرسکی تھیں۔ اس کی ذات ہر گزرتے دن کے ساتھ ویرانی کے ایک ایسے خول میں بند ہوتی چلی گئی تھی۔ جسے توڑنا ان میں سے کسی کے بھی بس میں نہ تھا۔

اس کی یہ تنہائی، یہ اداسی ثمرہ کے احساس جرم میں ہر لمحہ اضافے کا باعث تھی۔ وہ خود کو تیمور اور انابیہ کا مجرم سمجھنے لگی تھی۔

ادھر انابیہ کی زبان پہ دوبارہ کبھی تیمور منہاج کا نام نہیں آیا تھا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے لاہور کے ایک بہترین کالج میں جاب کرلی تھی۔ مومنہ نے فیشن ڈیزائننگ کا کورس کرنے کے بعد اپنا بوتیک کھول لیا تھا۔ انابیہ کے نزدیک زندگی مکمل ہوچکی تھی۔ لیکن احسان فاروق کو اس کی جانب سے سخت تشویش تھی۔ مومنہ نے تو اپنی زندگی اپنے بچوں کے نام کردی تھی۔ اس نے دوبارہ شادی کے لیے سختی سے منع کردیا تھا مگر انابیہ کو وہ ہر حال میں اپنے گھر کا دیکھنے کے خواہش مند

تھے۔

ان کی یہ خواہش جلد ہی ڈاکٹر عمر کی صورت میں پوری ہوئی تھی۔ وہ ایک پڑھی لکھی فیملی کا خوبرو نوجوان تھا۔ انابیہ کو اس کی والدہ نے ایک فنکشن میں دیکھا تھا۔ انابیہ نے ان دونوں کی پسند پہ خاموشی سے سر جھکا دیا تھا۔ وہ اپنی تابعداری سے ماضی میں اپنے گھر والوں کو ملنے والی اذیت کا ازالہ کرنا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح اتوار تھا۔ تیمور ساری رات جاگنے کے بعد اب کہیں بارہ بجے کے قریب جا کے اٹھا تھا۔

شاور لینے کے بعد بھی طبیعت پہ چھائی کسل مندی دور نہ ہوئی تو وہ اٹھ کے نیچے لاؤنج میں چلا آیا تھا۔ جہاں شیریں بیگم کے ساتھ منہاج صاحب بھی بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس کے آنے پہ ملازمہ اس کی روٹین کا ناشتا یعنی جوس لے آئی تھی۔

"ممی آپ ماموں کی طرف گئی تھیں؟" اس نے جوس گلاس میں ڈالتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔

"نہیں وہ میں..." انہوں نے گڑبڑا کر شوہر کی جانب دیکھا تو تیمور کی بھنویں تن گئیں۔ وہ بے اختیار سیدھا ہو بیٹھا۔

"جب میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ جتنی جلدی ہو سکے، جا کے سارے معاملات طے کر لیں تو آپ گئی کیوں نہیں؟" ان کی طرف دیکھتا وہ تند لہجے میں بولا۔ تو شیریں بیگم بھی قدرے ناگواری سے بولیں۔

"میں ثمرہ کی منتظر ہوں۔ وہ آئے گی تو ہم جائیں گے نا۔" ثمرہ کے نام پہ تیمور بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"اوفو ممی! آپ سمجھتی کیوں نہیں، میں کون سا بارات لے جانے کے لیے کہہ رہا ہوں جو آپ..." وہ جھنجلا کر تیز لہجے میں بولا تو منہاج مرتضیٰ نے اسے تنبیہی لہجے میں ٹوک دیا۔

"تیمور! کنٹرول یور سیلف۔" ان کے ٹوکنے پہ وہ بے اختیار خاموش ہو گیا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں اتنی جلدی کس بات کی ہے؟ واٹس از رانگ ود یو؟ وائے یو آر بی ہیونگ سو اسٹرینجلی؟" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ غصے سے بولے۔

"آپ صحیح کہتے ہیں پاپا! پتا نہیں مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔" ان کی طرف دیکھتا وہ تھکے تھکے سے لہجے میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر پلٹ کر باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شیریں فون پہ تمام روداد ثمرہ کے گوش گزار کر رہی تھیں۔ تیمور کے ناقابل فہم رویے نے انہیں واقعی بہت اپ سیٹ کر دیا تھا۔

ان کی بات سن کے ثمرہ بے اختیار اک بوجھل سانس کھینچ کر رہ گئی تھی۔ تیمور اپنے دل سے لڑ کر خود پہ ایک ان چاہا رشتہ مسلط کر رہا تھا۔ ایسے میں جھنجلاہٹ اور غصہ آنا تو فطری سی بات تھی۔

تو کیا تیمور ساری زندگی اسی طرح ناخوش رہے گا؟ اور کیا اس کے لیے اپنے اکلوتے بھائی کو اس طرح گھٹ گھٹ کر زندگی گزارتے دیکھنا آسان ہو گا؟ کیا انہوں نے جو کیا وہ اس کے لیے خود کو معاف کر پائے گی؟ ان کے جھوٹ اور الزاموں نے ایک نیک عورت کی جان لے لی تھی۔ دو محبت کرنے والوں کو ایک دوسرے سے بدگمان کر دیا تھا۔ وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"ممی! میں آپ کو بعد میں فون کرتی ہوں۔ ابھی مجھے احمر کے ساتھ کہیں جانا ہے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

ساری زندگی کے لیے پچھتاوؤں میں گھرنے سے بہتر تھا کہ وہ ایک آخری کوشش ضرور کرتی۔ پھر چاہے تیمور اسے کتنی بڑی سزا کیوں نہ دے لیتا۔ کم از کم اسے یہ اطمینان تو ہوتا کہ اگر ان کی جدائی میں کچھ ہاتھ اس کا تھا تو انہیں ملانے کے لیے بھی اس نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی۔

"انکل! میں تیمور منہاج کی بہن ہوں، ثمرہ... اور آپ سے بہت ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" احسان فاروقی ایک لمحے کے لیے ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے یہاں سے واپس بھیج دیں یا اپنے محسن کی بہن سمجھتے ہوئے اس کی آمد کا قبول کریں؟

"آؤ بیٹھو! تیمور کیسا ہے؟" انہوں نے اپنے مخصوص شفیق لہجے میں کہا۔

ثمرہ ان کی مشکور ہوتی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"وہ ٹھیک نہیں ہیں۔" ثمرہ نے دھیرے سے کہا تو کمرے میں موجود تینوں نفوس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ لیکن جس تیزی سے انابیہ کے چہرے نے رنگ بدلا تھا وہ ثمرہ کی گہری نظروں سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

"کیا ہوا ہے اسے؟ خیر تو ہے؟" احسان صاحب نے پریشانی سے پوچھا تو ثمرہ دل ہی دل میں ان کی اچھائی کی قائل ہو گئی۔

"سچ سن کے شاید آپ کو اچھا نہ لگے انکل! اور جھوٹ میں کہنا نہیں چاہتی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب؟" انہوں نے الجھ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"مطلب یہ کہ انہیں جب سے انابیہ کی منگنی کا پتا چلا ہے، وہ بے حد اپ سیٹ ہو گئے ہیں۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے انابیہ کی جانب دیکھا تو وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے بے اختیار نظریں جھکا گئی۔

"آپ یہ مت سمجھیے گا کہ مجھے یہاں تیمور بھائی نے بھیجا ہے۔ انہیں تو میرے یہاں آنے کے بارے میں پتا بھی نہیں۔ میں تو خود یہاں آئی ہوں، انابیہ سے صرف ایک سوال پوچھنے اور اسے ایک سچائی بتانے۔" اس نے اپنے سابقہ لہجے میں کہا تو انابیہ کی آنکھیں چاہتے ہوئے بھی ثمرہ کی جانب اٹھ گئیں۔

"کیسی سچائی؟" مومنہ نے الجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے بھائی کی محبت کی سچائی۔ ان کی بے گناہی کی سچائی اور یہ سچائی کہ چار سال پہلے آپ کے گھر میں جو کچھ بھی ہوا تھا، میری ماں کا رچایا ہوا ایک کھیل تھا، جس میں بعد میں، میں بھی شامل ہو گئی تھی اور جس کی آج تک تیمور بھائی کو خبر نہیں۔" بات کرتے کرتے اس کا لہجہ بے اختیار بھر آگیا تھا۔ جبکہ وہ تینوں مارے حیرت کے گنگ بیٹھے اس کا چہرہ تکتے رہ گئے تھے۔

"میں نہیں جانتی کہ اس حقیقت کے کھلنے کے بعد میرا بھائی پھر کبھی رشتوں پہ اعتبار کر پائے گا یا نہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اگر آج میں نے حقیقت نہ بیان کی تو شاید میں اپنے بھائی کی بے رنگ زندگی کے لیے خود کو کبھی نہ معاف کر سکوں۔" وہ بہتے اشکوں کے درمیان بولی۔

انابیہ نے مضبوطی سے صوفے کے بازو کو تھام لیا۔

"میں نے جب ممی کے کہنے پر ان کا ساتھ دیا تھا، تب مجھے اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ ہمارا یہ جھوٹ آپ لوگوں کی زندگیوں میں کتنا بڑا طوفان لے آئے گا لیکن جب مجھے آپ کی والدہ کے انتقال کے بارے میں پتا چلا، اس دن مجھے احساس ہوا کہ ہم کیا کر بیٹھے تھے۔ ہماری غلط بیانی سے ایک شریف النفس ماں کی جان چلی گئی تھی۔ کئی ہنستے بستے دل اجڑ گئے تھے۔ میرا اپنا بھائی اپنی بے اعتباری کو دل سے لگائے بالکل گم صم سا ہو گیا تھا۔ میرے لیے اتنے بوجھ کو برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ ان کی اجاڑ زندگی اور انابیہ سے ان کی محبت دیکھ کے میرا ضمیر مجھے ہر لمحہ ملامت کرتا تھا۔ چار سال گزر گئے تھے مجھے اس خلش کے ساتھ زندہ رہتے ہوئے۔ جب کچھ دن پہلے اچانک ہمارا لاہور آنا ہوا تھا اور یہاں اسپتال میں انابیہ کو داخل دیکھ کے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔"

انابیہ کو اس حال میں دیکھ کے میں خود کو اس کے پاس آنے سے روک نہ سکی تھی۔ وہاں روم میں میری ملاقات انابیہ کی بڑی بہن سے ہوئی تھی۔" اس نے ایک نظر مومنہ کی طرف دیکھا۔

"وہ سمجھی تھیں کہ میں وہاں تیمور بھائی کے کہنے پر آئی تھی۔ میرے پوچھنے پر انہیں بھی شاید میری لاعلمی کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر کمرے

سے نکل گئی تھیں۔ ان کے انداز پہ میری الجھن بڑھ گئی تھی۔ میں نے گھر پہنچ کر تیمور بھائی کو فون کرکے اس بارے میں سوال کیا تھا اور تب انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ انابیہ اپنی کولیگز کے ساتھ ٹرپ پہ اسلام آباد آئی تھی۔ یہاں ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا تھا۔ جس کی خفیہ انکوائری انہیں سونپی گئی تھی۔" وہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی تو مومنہ نے دھیرے سے پوچھا۔

"تیمور نے تمہیں بتایا نہیں کہ کیا حادثہ پیش آیا تھا؟"

"نہیں! انہوں نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" وہ ٹشو سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو انابیہ نے بے اختیار اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"اپنی جان سے بھی بڑھ کے حفاظت کی ہے میں نے تمہارے اعتبار کی۔"

"میں ہر بات بھلا کر نئے سرے سے ٹوٹا تعلق جوڑنا چاہتا ہوں۔"

"صاحب نے آپ کو اس وقت دفتر لے جانے سے منع کیا ہے۔"

"اور وہ رشتہ کیا ہوا جس کی بنیاد ہم نے عزت اور اعتبار پر رکھی تھی؟" کتنی آوازیں ماضی اور حال سے نکل کر اس کے اردگرد بکھر گئیں تو انابیہ نے زور زور سے روتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اگر اسے بدگمان کیا گیا تھا تو تیمور کو بھی اس سے بدگمان کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی۔ اسے یوں بے حال ہوتا دیکھ کے مومنہ اور احسان صاحب نے سرعت سے اٹھ کر اسے تھام لیا تھا۔

"بابا! بابا! مجھے تیمور کے پاس لے چلیں۔ مجھے اس سے معافی مانگنی ہے۔" احسان فاروق کا ہاتھ تھامے وہ دیوانہ وار روتے ہوئے بولی۔

"لے چلوں گا بیٹا! لے چلوں گا۔ تم حوصلہ تو رکھو۔" احسان صاحب نے اس کے سر کو جھک کر چومتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ کیا کچھ نہ کہا تھا انہوں نے اس لڑکے کو، مگر وہ پھر بھی ان کی عزت کا محافظ بن گیا تھا۔ ہر بات بھلا کر اس نے صرف اور صرف اپنے فرض پہ توجہ دی تھی۔ وہ تو حقیقتاً اس کا بدلہ نہیں دے سکتے تھے۔

اور یہ لڑکی جس نے اپنے ماں، بیٹی اور بھائی، بہن کے رشتے کو داؤ پہ لگا کے انہیں ساری سچائی سے آگاہ کیا تھا، اس کا بھی تو کوئی کم احسان نہ تھا ان پر۔

ان کی نم آنکھیں ثمو کی طرف اٹھیں تو وہ دھیرے دھیرے چلتے اس کے مقابل آکھڑے ہوئے۔

"انکل! مجھے معاف کردیں۔ میں واقعی اپنی غلطی پہ بہت شرمندہ ہوں۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تو احسان صاحب کا ہاتھ مشفق انداز میں اس کے سر پہ آٹھہرا۔

"نہیں بیٹا! اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم ناسمجھ تھیں۔ تم نے جو کیا، ماں کی محبت میں کیا۔ خدا تمہاری غلطی معاف کرے اور تمہیں تمہاری اس سچائی کا اجر دے۔" انہوں نے نرم لہجے میں کہا تو ثمو کے آنسوؤں میں شدت در آئی۔

"بہت شکریہ انکل! بہت شکریہ! میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔ آپ سے اب بس میری آخری التجا ہے، پلیز اسے رد نہ کیجیے گا۔" وہ روتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان بولی۔

"آپ پلیز... پلیز انابیہ کی موجودہ منگنی ختم کرکے اسے میرے بھائی کی زندگی میں شامل کردیں۔ پلیز انکل! آئی ریکویسٹ یو۔" ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ احسان فاروق کے آگے جوڑ دیے تو وہ اک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

"تمہیں شاید یہ سن کر عجیب لگے، لیکن قدرت یہ کام پہلے ہی کرچکی ہے۔ انابیہ کا رشتہ ابھی چند دن پہلے ہی ختم ہوگیا ہے۔" وہ دھیرے سے بولے تو روتی ہوئی ثمو حیرت سے ان کا چہرہ تکنے لگی۔

"کیا؟ آپ... آپ سچ کہہ رہے ہیں انکل؟" اس کے لیے تو اپنے کانوں پر یقین کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے تیزی سے آگے بڑھ کے انابیہ کو اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"ل... لیکن تمہاری والدہ" مومنہ نے پریشانی سے کہا؟

"ان کی آپ فکر مت کریں۔ یہ مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔" وہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اچھا انکل میں اب چلتی ہوں۔ آپ بس اب میرے بھائی کا انتظار کیجیے گا۔ خدا آپ لوگوں کو ہمیشہ خوش رکھے.... اللہ حافظ!"

وہ جس طرح اچانک آئی تھی اسی طرح اچانک اٹھ کر واپس چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ سب ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے ناشتے میں مصروف تھے، جب ثمو کو اندر داخل ہوتا دیکھ کے وہ سب چونک گئے تھے۔

وہ ماں سے مل کر باپ کو پیار کرنے کے بعد تیمور کی جانب آئی تو اس نے اٹھ کر اسے خود سے لگا لیا۔

"آپ کیسے ہیں بھائی؟" نجانے کیوں اس کے سینے سے لگتے ہی ثمو کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟"

ثمو نے ایک گہری نظر بھائی کے چہرے پر ڈالتے ہوئے سامنے بیٹھے ماں باپ کی جانب دیکھا اور پھر جیسے کسی نتیجے پہ پہنچتے ہوئے تیمور کے برابر کرسی سنبھال لی۔

"اکیلے رات میں سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آج صبح نکلتیں۔" شیریں نے خفگی سے کہا تو ثمو سپاٹ نظروں سے ماں کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟" اسے ایک ٹک اپنی جانب تکتا پاکے شیریں نے الجھ کر پوچھا تو منہاج صاحب کے ساتھ ساتھ تیمور کی نظریں بھی ثمو کی جانب اٹھ گئیں۔

"آپ اتنی مطمئن کیسے ہوسکتی ہیں؟" ان کی طرف دیکھتی وہ عجیب سے لہجے میں بولی تو ٹیبل پہ بیٹھے تینوں افراد اس عجیب و غریب بات پہ چونک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب؟" شیریں نے حیرت سے بیٹی کی جانب دیکھا۔

"مطلب یہ کہ آپ نے جو کچھ بھی تیمور بھائی، انابیہ اور اس کی فیملی کے ساتھ کیا، اس کے بعد آپ اتنی مطمئن کیسے ہوسکتی ہیں؟" وہ بنا کسی جھجک کے دوٹوک لہجے میں بولی تو شیریں بیگم کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ جبکہ تیمور حیرت زدہ سا دونوں کا چہرہ دیکھنے لگا تھا۔

"کیا... کیا بک رہی ہو؟" شیریں نے گھبرا کر ایک نظر بیٹے کو دیکھتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے ثمو کو گھورا تھا۔

"آپ مجرم ہیں تیمور بھائی کی۔ گناہ گار ہیں انابیہ اور اس کے گھر والوں کی۔" ٹیبل پہ ہاتھ مارتی ثمو ایک جھٹکے سے کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی بات پہ جہاں تیمور کی پھٹی پھٹی سی بے یقین آنکھیں ماں کی جانب اٹھی تھیں، وہیں منہاج مرتضیٰ بھی گھبرا کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

ثمو کے تیور انہیں سمجھا گئے تھے کہ آج وہ رکنے والی نہ تھی۔ اور شاید یہ اندازہ شیریں بیگم کو بھی ہوگیا۔ تب ہی تو وہ اٹھ کر دندناتی ہوئی اس کے سر پہ جا پہنچی تھیں۔

"کیا بتاؤ گی ہاں! کیا بتاؤ گی؟" انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

"یہ کہ آپ نے نہ صرف تیمور بھائی سے جھوٹ بولا تھا بلکہ ان شریف لوگوں پر بھی..." اس سے پہلے کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرپاتی شیریں بیگم کا ہاتھ پوری طاقت سے ثمو کے گال پر پڑا تھا۔

"بکواس کرتی ہو۔ جھوٹ بولتی ہو۔" وہ دیوانہ وار اس پہ جھپٹی تھیں۔

اس کے ارادوں کو بھانپ کر وہ غصے سے پاگل ہو اٹھی تھیں۔ جب منزل دو گام پہ رہ گئی تھی تو یہ بے وقوف لڑکی انہیں شکست سے دوچار کرنے چلی تھی۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا سر توڑ کے رکھ دیں۔

"تہمت یہ نہیں، وہ تھی جو آپ نے انابیہ اور اس کی ماں پہ لگائی تھی۔ جب آپ نے ان کی تذلیل کی تھی، انہیں آوارہ اور بدچلن کہا تھا۔" روتی ہوئی ثمو

بھائی سے الگ ہو کے چلائی تو تیمور کی دھواں دھواں آنکھیں ماں کے چہرے پہ جم سی گئیں۔

اور پھر ثمو ہر وہ جھوٹ ٗ ہر وہ دھوکا اسے بتاتی چلی گئی تھی ٗ جو ان سب نے اسے دیا تھا۔ اور جسے سن کر تیمور نڈھال سا کرسی پہ گر سا گیا تھا۔ اس دوران شیریں کی بھی ساری مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔

"مجھے معاف کردیں بھائی! مجھے معاف کردیں۔ مجھے نہیں پتا تھا ہمارے یہ جھوٹ ٗ یہ الزام انابیہ کی امی جان لے لیں گے۔ ان کا غصہ بجا تھا۔ انابیہ کی ماں کو ہارٹ اٹیک ممی کی باتوں سے ہوا تھا۔ اس نے آپ سے راہیں جدا کرنے کا فیصلہ اپنی ماں کی موت کے بعد کیا تھا۔ اور وہ اس فیصلے میں حق بجانب تھی۔ بلکہ وہ کیا اس کی جگہ اگر کوئی بھی لڑکی ہوتی تو شاید محبت کی خاطر اپنی تذلیل تو بھلا دیتی مگر ایسے کسی بھی شخص کا ہاتھ تھامنے سے یقیناً صاف انکار کردیتی جس کی ذات اور جس کا خاندان اس کی ماں کی موت کا سبب ہوتا۔" اس کے سامنے دوزانو بیٹھے وہ اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے زاروقطار روتے ہوئے بولی تو تیمور نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔

"کاش! کہ یہ سب جھوٹ ہوتا ٗ غلط ہوتا ٗ فریب ہوتا۔"

دونوں ہاتھوں میں سر تھامے اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے تھے۔ ماں ٗ باپ ٗ بہن وہ بھلا اب کس کو اپنا کہہ سکتا تھا؟ کس پہ دوبارہ اعتبار کرسکتا تھا اس کے حصے میں تو ہر طرف سے خسارہ ہی خسارہ آیا تھا۔

"میں آپ کی گناہ گار ضرور ہوں۔ بھائی! مگر میں آپ کو دکھ دینے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں یہاں آنے سے پہلے انابیہ اور اس کی فیملی کو ساری سچائی بتا کر آئی ہوں۔ آپ کی بے گناہی کی گواہی دے کر آئی ہوں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ سب ختم ہوگیا سب۔" سر اٹھاتے ہوئے اس نے ثمو کا ہاتھ جھٹکا۔

"کچھ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی آپ لوگوں کے درمیان جدائی کی لکیر نہیں کھینچ سکا نہ ممی ٗ نہ وقت اور نہ خود انابیہ۔ میں نہیں جانتی کہ یہ کیسے ہوا۔ لیکن انابیہ کی منگنی ٹوٹ چکی ہے اس کا رشتہ ختم ہوچکا ہے بھائی!" اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے ثمو نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو تیمور کے بہتے اشک بے یقینی سے تھم سے گئے۔

اس کے چہرے پہ نگاہیں جمائے ثمو نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تو ساکت بیٹھا تیمور کتنی ہی دیر خلا میں نظریں جمائے خاموش بیٹھا رہا۔

اس کی حالت پہ منہاج صاحب کا دل کٹنے لگا تھا۔ بے اختیار اس کے قریب چلے آئے تھے۔

"ہمیں معاف کردو بیٹا! ہم نے تمہیں واقعی بہت دکھ ٗ بہت تکلیف پہنچائی ہے۔" اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے وہ دل گرفتی سے بولے تو تیمور ان کی طرف دیکھے بنا آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تو خود خالی ہاتھ ہوں۔ میں بھلا آپ کو کیا دے پاؤں گا؟" غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے وہ آہستگی سے اپنے شانے سے ان کا ہاتھ ہٹا کر دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس کا بکھرا ہوا لہجہ ٗ ویران آنکھیں اور تھکے ہوئے قدم شیریں منہاج کے دل پہ ثبت ہوگئے تھے۔

"یہ کیا کردیا میں نے۔ کیا کردیا؟" اپنے بیٹے کے وجود پہ چھائی شکستگی دیکھ کے انہیں چار سالوں میں پہلی بار اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے معاف کردو بیٹا! میں نے جو کچھ بھی کیا اپنی ذات کے زعم میں کیا۔ اپنا مقصد پانے کے لیے میں نے کسی بات کی پروا نہیں کی ٗ حتیٰ کہ اپنے بیٹے کے دل کی بھی۔ اپنی ذات ٗ اپنی دولت اور اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا مجھے کہ اس ایک احساس نے میرے باقی تمام احساسات کو ختم کرڈالا تھا لیکن میرے بیٹے کی دو دن کی بھوک پیاس اور خاموشی نے مجھے تمہاری ماں کی اذیت اور اس کی موت کی وجہ سمجھا دی۔ مجھے اس حقیقت کا احساس دلا دیا کہ میں کتنی بری ماں ہوں۔ کتنی بری۔"

انابیہ کے ہاتھ کو آخری سہارے کی مانند دونوں ہاتھوں سے تھامے شیریں منہاج پھوٹ پھوٹ کر روتی چلی گئیں۔

انابیہ اپنا لب دانتوں تلے دبا گئی۔ اسے اپنے رب کے انصاف پہ یقین آگیا تھا۔

"مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تیمور سے منسوب کرکے جو کچھ بھی بولا ٗ سب جھوٹ تھا۔ وہ تم سے کل بھی محبت کرتا تھا اور آج بھی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہے۔ تم اس کی اس بے لوث محبت کی خاطر مجھے معاف کردو اور میرے بیٹے کی زندگی میں واپس آکر میرے اس ملال کو کم کردو۔ پلیز بیٹا! میرے تیمور کو سمیٹ لو۔ نہیں تو وہ ہمیشہ کے لیے بکھر جائے گا۔"

بہتے اشکوں کے ساتھ وہ التجائیہ انداز میں بولیں تو انابیہ کی بھیگی آنکھیں احسان فاروق کی جانب اٹھ گئیں۔ جنہوں نے دھیرے سے اثبات میں سرہلا کے اس کی مشکل آسان کردی تھی۔

"میں نے آپ کو معاف کیا آنٹی! اور میری دعا ہے کہ میرا اللہ بھی آپ کی غلطیوں کو معاف فرمائے۔" شیریں نے چند لمحے اسے بے یقینی سے تکنے کے بعد خود سے لگالیا۔

☼ ☼ ☼

تیمور کا شکستہ وجود ہولے ہولے راکنگ چیئر پہ جھول رہا تھا۔ شکن زدہ ملگجا لباس ٗ بڑھی ہوئی شیو اور سرخ متورم آنکھیں اس کی ذہنی پراگندگی کا ثبوت تھے۔ ان دو دنوں میں نہ تو اسے بھوک کا احساس تھا اور نہ ہی نیند کا۔ اگر کسی بات کا ہوش تھا تو اپنے ماں باپ کے دیے دھوکے کا ٗ اپنے رشتوں کے بکھرنے اور اپنے دل کا۔ جہاں بہت درد تھا۔ بہت زیادہ درد۔

گھر والے اس کی منتیں کرتے اور دروازہ پیٹتے پیٹتے تھک چکے تھے۔ لیکن وہ بے حس بنا بیٹھا رہا تھا۔ اور آج چونکہ صبح سے اب تک کسی نے بھی اس کا دروازہ نہ کھٹکھٹایا تھا ٗ اس لیے اس اس دھیمی سی دستک نے بھی سوچوں کے تانے بانے کو بکھیر کے تیمور کو

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہٰذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

دروازے کی جانب دیکھنے پہ مجبور کردیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی سابقہ بے نیازی سے نگاہیں پھیر لیتا۔ دہلیز کے نیچے سے ایک گلابی لفافہ کمرے کے اندر سرک آیا تھا۔

دھیرے سے سیدھے ہوتے ہوئے تیمور نے اب کے گہری نظروں سے آف وائٹ کارپٹ پہ پڑے اس ہلکے گلابی لفافے کو دیکھا تھا۔ اور پھر جیسے بے اختیاری کے عالم میں اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔

اگلے ہی لمحے اس نے جھک کر اپنے پیروں کے قریب پڑا وہ لفافہ اٹھالیا تھا۔

بے چینی سے لفافہ کھولتے ہوئے اس نے اندر موجود پرچا نکال کر دھیرے سے کھولا تھا اور اس کی آنکھیں اپنے سامنے بکھری موتیوں کی سی تحریر پہ حیرت سے جم کے رہ گئی تھیں۔

"سورج پر دستک دینا۔۔۔ آسان نہیں
اپنا ہاتھ جلالینا۔۔۔ آسان نہیں
چل کر اپنے پاؤں سے
کھیلنا گرم شعاعوں سے۔۔۔ آسان نہیں
جیون کے ایک ایسے دوراہے پر گم صم سی کھڑی ہوں میں
ادھر مڑوں یا ادھر کو جاؤں اس الجھن میں پڑی ہوں میں
نئی ڈگر کو مڑجانا۔۔۔ آسان نہیں
ٹوٹ کے پھر سے جڑجانا۔۔۔ آسان نہیں۔"

واقعی ٹوٹ کے پھر سے جڑجانا آسان نہیں، لیکن مجھے یہ ہمت، یہ حوصلہ آپ کی بے مثال محبت اور وفا نے دیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی گزری ہر بات بھلا کے مجھے میری بدگمانی پہ معاف کردیں گے۔۔۔ کردیں گے نا۔۔۔"

تیمور کو لگا جیسے کسی نے اس کے درد سے تڑپتے ہوئے نڈھال دل کی ساری جلن، ساری تکلیف اپنی نرم پوروں پہ سمیٹ لی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا اور اپنے سامنے انابیہ احسان کو دیکھ کے مبہوت سا رہ گیا۔

"تم؟ یہاں؟" اس کی بے یقینی اسے فقط اتنا ہی کہنے دے پائی تھی۔

"جی! اور پوری عزت اور مان کے ساتھ لائی گئی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولتی ایک قدم بڑھا کے اس کے روبرو آکھڑی ہوئی۔ تیمور منہاج کی پیاسی نگاہیں اس کے چہرے پہ جم سی گئیں، جبکہ اسے وارفتگی سے تکتی انابیہ کی اپنی آنکھوں میں یک لخت ڈھیروں آنسو اتر آئے تھے۔

"یہ اگر خواب ہے انابیہ! تو میری دعا ہے کہ میں ساری عمر اسی خواب میں گزار دوں۔" اس قاتل کے قاتل خدوخال کو تکتے ہوئے وہ نمناک لہجے میں بولا تو انابیہ نے آگے بڑھ کے اس کا مضبوط ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"نہیں تیمور! اب یہ خواب نہیں ہے۔" برستی آنکھوں کے ساتھ انابیہ کے لب دھیرے سے مسکرائے تو تیمور نے بھی نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ اٹھا کر اپنے لبوں سے لگالیے۔

"اب چلیں، نیچے سب آپ کا انتظار کررہے ہیں۔" اپنے ہاتھوں میں دبے اس کے ہاتھ کو انابیہ نے دھیرے سے کھینچا تو تیمور کے پورے وجود میں ایک تناؤ سا آگیا۔ جسے محسوس کرتے ہوئے انابیہ نرمی سے بولی۔

"کس نے کیا کہا تھا اور کیا نہیں، ہمیں کچھ نہیں سننا۔ ہمیں ہر بات بھلا کر نئے سرے سے بس ٹوٹا تعلق جوڑنا ہے۔"

اور تیمور، انابیہ کے منہ سے اپنا جملہ سن کے بے اختیار مسکرادیا تھا۔ جس نے "میں" کی جگہ "ہم" کا لفظ استعمال کرکے اس کی چار سالہ ہر اذیت مٹادی تھی۔

اگلے ہی لمحے وہ انابیہ کا ہاتھ تھامے آگے بڑھا، جہاں ان کے سارے اپنے ان کے منتظر تھے۔